ہماری ویب ڈیجیٹل بک

کاشف خٹک

KASHIF KHATTAK

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Kashif Khattak"
at Hamariweb.com

اندھی تقلید

پاکستان ایک اسلامی جمہوری ملک ہے اور اس میں بسنے والے لوگ جمہوریت کو پسند کرتے ہیں۔بلکہ وہ اس پر بحث کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔آپ جہاں بھی جائیں آپ کو سیاسی گفتگو ضرور سنائی دے گی۔ لوگوں کے نظریات، رائے مختلف ہو سکتے ہیں اور اسی بناء پر وہ اِن سیاسی جماعتوں کے ساتھ پسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور سیاسی گفتگو بھی کرتے ہیں۔ ایک سپورٹر اپنے نظریاتی پارٹی کی اچھائیاں بیاں کریگا۔ اور دوسرا اس پر کیچڑ اچالے گا، خیر یہ تو ہوتا رہتا ہے۔ بحث کرنے تک بات بالکل ٹھیک ہے اور جو بات ٹھیک نہیں ہے، وہ ان کی بحث کا رویہ ہوتا ہے، بحث کے دوران ایک جگہ پر محسوس ہوتا ہے کہ بس آپس میں ایک دوسرے کا گریبان پکڑنے والے ہیں۔ وہ اس بحث میں اتنے گرم ہو چکے ہوتے ہیں جیسے یہ اُن کا نظریاتی معاملہ نہیں بلکہ ذاتی معاملہ ہے اور یہ پارٹی ان کے باپ کے جاگیر میں سے کوئی چیز ہے۔ اور اُن سے بحث اُن کے ذات پر حملہ ہے۔اور وہ دوسروں کے نظریات، خیالات کو ذاتیات تک لے جاتے ہے۔

دراصل یہ سب چیزیں ہماری سیاسی ناسمجھی تصور کیجاتی ہے جو ہمیں اندھی تقلید کی طرف لیجاتی ہے۔

پر بلائے گئے V.O.A, BBC, CNN اس بحث میں وہ اتنے مگن ہو جاتے ہیں کہ جیسے ہو اور ایک دوسرے کو ہر صورت چپ کروانے کی کوشش کرتے ہے، چاہے نازیبا الفاظ بھی استعمال کیئے جائیں۔ کوئی بھی ایک دوسرے کی بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ اس لاحاصل بحث سے کسی کو بھی فائدہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ اُلٹا دلوں میں کدورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر کسی سپورٹر کو واقعی سیاسی گفتگو کا شوق ہے تو ضرور کریں مگر اس طرز سے کہ دوسرے پارٹی کے سپورٹر، جو موجود ہو ان کی دل آزاری نہ ہو جائے۔ پھر ضرور وہ بھی ایسے ہی الفاظ میں جواب دینگے جس سے بات بگڑ سکتی ہے۔ اگر آپ صحیح معنوں میں بحث کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو اپنے دوسرے ساتھی یا دوسرے پارٹی کے سپورٹر کی بات سننی پڑی گی، دلائل سے دی جانی والی بات آپ کو تسلیم کرنا ہوگا۔ اور اگر آپ صرف ''میرا لیڈر، میرا لیڈر'' میری پارٹی اچھی ''کی رٹ لگائیں رکھیں گے اور دوسروں کی بات تک نہیں سنیگیں تو یہ آپ کی سیاست سے نا سمجھی تصور ہوگی اور اُلٹا اپنا اور اپنی نظریاتی پارٹی کا گراف نیچے آسکتا ہے۔

اپنی غلطی کا اعتراف بڑے پن میں آتا ہے اور بڑے لوگ غلطیاں بہت کم کرتے ہیں

لیکن جب سرزد ہو جائے تو اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہی بڑے اور کامیاب لوگوں کی نشانیوں میں سے ہیں۔ جو اپنی غلطیوں سے سیکھ کر کامیاب ہوتے ہیں۔

ہماری سیاست میں سب سے بڑی خامی ہی یہی کہ کسی سے بھی تنقید برداشت نہیں ہوتی، حالانکہ یہی تنقید اُسے کامیابی دلا سکتی ہے اگر آپ کو لوگوں سے بات منوانی ہے، ان کے منہ بند کروانے ہیں، تو ان کے منہ اپنی کارکردگی سے بند کروادیں، تنقید خود بخود ختم ہو جائیگی۔

کسی پارٹی کیلئے اس کے سپورٹر بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ لیکن اس پارٹی کے سپورٹر کا رویہ دوسرے پارٹی کے سپورٹر یا عام لوگوں کے ساتھ بحث میں ٹھیک نہ ہو، تو اس پارٹی کا گراف انہی نا سمجھ سپورٹر کی وجہ سے گر بھی سکتا ہے۔ آپ سوشل میڈیا پر جاکے دیکھئے۔ پاکستان کے لیڈر کا کیا حال بنا رکھا ہے کسی کے تصویر کو فوٹوایڈٹ کرکے عورت کے روپ میں ظاہر کیا گیا ہے کسی کو ناچنے والا، کسی کی داڑھی شیو کروادی گئی ہے، کسی کو داڑھی لگا دی گئی ہے۔۔۔ توبہ کرو۔ کیونکہ کسی کا چہرہ مسخ کرنا اسلام میں ممنوع ہے۔ دوسروں کا دل دُکھانے سے اسلام منع کرتا ہے۔ دوسرے کی رائے کا احترام سکھاتا ہے۔ جب اسلام ہمیں خلیفہ وقت پر خطبے کیلئے کھڑے حضرت عمرؓ سے اضافی

چادر اُڑھنے پر استفسار کی اجازت دیتا ہے تو کیا آپ کے پارٹی کا لیڈر حضرت عمرؓ سے بہتر ہے کہ اسکی پالیسیوں پر تنقید نہ کیجاسکے۔۔۔؟ کیا آپ کی جماعت، صحابہ کرامؓ اجمعین کی جماعت سے بہتر ہے کہ اسپر تنقید نہ کیجاسکے اور آپ برداشت نہ کرسکے اور نامناسب رویہ اختیار کرے۔۔۔؟

لیڈروں میں بڑی صفات ہوتی ہے یہ نہیں کہ وہ خامیوں سے مبرا ہوتے ہیں۔انسان اچھائیوں ،برائیوں کا مجموعہ ہوتا ہے اور لیڈرز بھی انسان ہوتے ہیں۔وہ کامیاب اور ناکام ہو سکتے ہیں۔اور افسوس ہم اپنے اسلامی تاریخ کو بھی بھلا بیٹھے اور اس اندھی تقلید میں چاہے ہمارا لیڈر ناکام ہی کیوں نہ ہواور صرف اپنی پارٹی کو صحیح ثابت کرنے کیلئے ،اپنے لیڈر کو فرشتہ ثابت کرنے لاحاصل بحث جاری کرکے آپس کے نفرتوں کو طول دے رہے ہیں۔

پاک انڈیا کرکٹ میچ۔۔۔آٹھ بجے اٹھنے کا شکریہ

کرکٹ دنیا کا دوسرا بڑا اور پسند کیا جانے ولا کھیل ہے۔ دنیا کے 3 بلین لوگ اسے پسند کرتے ہیں۔ گوروں سے اس کی ابتداء ہوئی اور اس کی عمر تقریبا دس برس کم ڈیڑھ سو سال پر محیط ہے۔۔ عالمی کپ دو ہزار پندرہ کا میلہ سج چکا ہے، دنیا بھر سے چودہ ٹیمیں اس معرکہ کو سر کرنے کے لیئے حصہ لے رہی ہیں۔کچھ عرصہ سے ساری قوم کی نظریں 15 فروری پر لگی ہوئی تھیں۔ کرکٹ کی شوقین دنیا کی نظریں پاک بھارت میچ کی منتظر تھیں۔ ورلڈ کپ دو ہزار پندرہ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں ہو رہا ہے۔ان ممالک اور پاکستان کے ممالک میں چھ گھنٹے کا فرق ہے۔۔۔ چنانچہ اس عالمی کپ میں پاکستانیوں کی لیئے ایک مشکل ضرور پیدا ہوئی ہے ان میچیز کو دیکھنے کے لیئے انھیں صبح سویرے اٹھنا پڑتا ہے۔ پندرہ فروری کی صبح ہر کوئی سویرے اٹھنے کا شوق لیئے اٹھا۔ دل میں یہ ارمان لیئے کہ اب کے بار تو پچھاڑ دیں گے، اب کے بار تاریخ کو الٹ کر ہی دم لین گے۔۔ اب کے بار ناکوں چنے چبھوا کے رہینگے۔لہٰذا یہ ارمان لیئے پاکستانی نوجوان " سنڈے " کے دن خلاف معمول اٹھ گیا اور ٹی وی کے سامنے بیٹھ گیا۔ نوجوانوں میں کرکٹ معروف و مقبول کھیل ہے۔۔۔ خاص کر جب مقابلہ دو روایتی حریف پاکستان اور بھارت کے مابین ہوں، تو کیفیت تجسس سے بھرپور، جنون کی حدوں کو چھوتی ہوئی، دل کے

تاروں کو بے ترتیب کرتی ہوئی، خون کے رگوں کو جماتی گرماتی ہوئی، پہنچ جاتی ہیں۔پندرہ فروری کو پاکستان اور انڈیا کا میچ ہوا۔۔۔پاکستان گوگہ بھارت کا مقابلہ نہ کر سکا اور مات کھائی مگر کچھ باتیں جو کہ ہماری ٹیم میں خامیاں بیان کرتی ہیں۔۔۔۔۔کہتے ہیں کہ منصوبہ بندی سے اکام شروع کرنے سے آدھا کام وہیں پر بیٹھے بٹھائے ہو جاتا ہے ۔مگر پاکستان کی ٹیم کا کوئی پلان ہی نہیں ہے،آپ کے چار پانچ کھیلاڑی ان فٹ ہو کر چلے گئے اور ان کے مقابلے میں انتہائی کم تجربہ کار کھیلاڑیوں کو بلایا گیا۔۔جاتا ہے ٹیم کی منیجمنٹ ہی نہیں۔کپتان اور منیجر کھیلاڑیوں پر اتفاق ہی نہیں کر پا رہے۔۔۔ٹیم میں نو کھیلاڑی پہلی بار ورلڈکپ کھیل رہے ہیں۔اپ کے سینئیر ترین تجربہ کار کھیلاڑی ٹیم سے باہر ہے۔انڈیا کے داماد شعیب ملک کو ہی دیکھ لیجئے ڈومیسٹک کرکٹ میں عمدہ پرفارمنس بھی دکھائی پھر بھی ٹیم سے باہر، حالانکہ اس کا سابقہ ریکارڈ انڈیا کے خلاف شاندار ہے۔۔۔۔۔محمد حفیظ کو معمولی انجری پھر ٹیم سے باہر بٹھا دیا گیا حالانکہ پاکستان ٹیم صرف "ڈیل سٹین "کے خلاف تو نہیں کھیل رہی تھی۔۔۔۔۔عام طور پر انتہائی خاموش طبیعت کے مالک مگر جنوبی افریقہ کے خلاف فتح پر "جمنا سٹک "والوں کی طرح چھلانگیں مارنے والے عبدالرزاق اس ورلڈکپ میں مفید ثابت ہو سکتے تھے۔انہیں سینئر پلیئر کی حیثیت سے موقع دینا چاہیئے تھا۔۔۔کہتے ہیں پاکستانی ٹیم سپنرز کو بہت اچھا کھیلتی ہے ہ وہ کیوں؟؟؟ کیوں کہ ان کی سپیڈ ہی نہیں ہوتی اور آرام سے

آتی گیند سے پاکستانی بیٹسمینوں کو کیا ڈر، نہ باونس کا خطرہ نہ چوٹ لگنے کا خطرہ۔۔۔ اور رہی بات ٹیکنکل سکلز کی تو وہ تو محمد یوسف، انضمام الحق کے بعد آج تک اور موجودہ ٹیم میں نہیں مل رہا۔۔۔ انڈین ٹیم دیو قامت پاکستانی بالر محمد عرفان سے خائف تھے اور ان کی پوری توجہ اس کو ہینڈل کرنے میں جاری رہی ان کی تیاری بھی خاص اس کو ہی ہینڈل کرنے کے لیئے تھی اور اس کو ٹریٹ کرنے کے لیئے انہوں نے کرسی پر چڑ کر وہاں سے بال پھینک کر اپنے بیٹسمیوں کو پریکٹس کروائی۔۔۔۔ اور یہ منظر ہماری ٹیم منجمینٹ کے لیئے ایک تفریح طبع کا سامان بن گیا اور اس سے محظوظ ہونے لگے۔۔۔۔۔ اوپر سے ایک لطیفہ یہ آگیا کہ یونس خان سے اوپننگ کرائی گئی بھئی جس کی ساری کرکٹ سپین بالر کو سامنا کرنے میں گزر گئی اسے آسٹریلین پیچوں پر اوپننگ کے لیئے بھیجا گیا جس سے وہ بے چارہ بل کھاتی ہوئی، گیندوں کو کیسے کھیل سکتا۔۔ ہم عالمی کپ کھیلنے گئے ہیں مگر اوپننگ کے لیئے باقاعدہ کوئی جوڑی ہی نہیں۔۔۔ گر واقعی اوپننگ لے لیئے جوڑی نہیں تھی تو آفریدی اوپننگ کے لیئے بہترین چوائیس تھے۔۔۔ ویسے بھی وہ ہوا میں ہر گیند اچھالنے کا شوقین ہیں چاہے چھکا لگے نہ لگے۔۔۔ ویسے بھی پہلے دس اوور میں تو صرف دو کھیلاڑی باہر ہوتے ہیں، ایسے میں اسکے آوٹ ہونے کے چانسز کم ہو جاتے۔۔۔ پاکستانی ٹیم کی 20 کروڑ عوام کی 11 کرکٹر میں ایک ہی خامی۔۔۔ وہ اچھلی ہوئی، باوِنس کھاتی ہوئی شاٹ پیچ گیند کو گیارہ کرکٹر میں کوئی بھی ٹھیک طرح سے

نہیں کھیل سکتا۔ کوئی تو ہو جو اس گیند کو ہینڈل کرسکے، شرم کی بات ہے۔ انڈیا ٹیم کی زیادہ گیندیں شارٹ پچ ہی گئیں۔۔۔۔ "کوکا بوار" سے بنے ہوئے پانچ اونس کے گیند اور پلیئرز کے پہنے ہوئے "لوازمات" ، پھر بھی ڈر ڈر کے کھیل رہے ہیں، اور ساری قوم کو غمزدہ کر رہے ہیں۔آپ لوگوں سے زیادہ تیز ترین بولر بھی نہیں گزرا۔۔۔آپ سے زیادہ چھکے لگانے والے بھی نہیں ہیں پھر ڈر ڈر کے کیوں کھیلنا۔۔۔۔۔ گو کہ ہم ایک میچ ہارنے سے باہر نہیں ہوئے مگر ان چیزوں کا تدارک ضروری ہیں ۔۔۔تاکہ آیندہ میچز میں بھی شرمندگی کا سامنا نہ ہو۔ ہمیں تم پر بھروسہ ہے مگر ذرا سا حوصلہ دکھانے کی ضرورت ہے۔۔۔۔۔پاکستانی شاہین ! ! ! تمہیں شاہین بننے کی ضرورت ہے۔۔۔۔ قوم کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ فی الحال میری آپنے تمام ہم وطنوں سے گزارش ہے کہ پلیز ہار کو دل پہ نہیں لینا یہ وقتی باتیں ہوتی ہیں ۔جذبات میں نہیں بہنا۔کھیل کو کھیل سمجھ کر ہی لینا چاہیئے۔۔۔ صبر سے قومی ٹیم کو سپورٹ کرنا ہے۔ فی الحال اپ سے یہ ہی کہہ سکتے ہیں کہ آٹھ بجے سویرے جاگنے کا شکریہ۔

حیلے بہانے اور ہماری شب بیداری

ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک آدمی جو کہ کرکٹ کا بہت شوقین تھا، اپنے محلے والوں کو اپنی کرکٹ میں مہارت کے قصے بیان کرتا پھرتا۔ان پر اپنا رعب جھاڑتا، کبھی فضاء میں تیزی سے اپنے ہاتھوں کو بیٹ پکڑے ہوئے سٹائل میں اچھالتا اور تھوڑا سا آگے بڑھ کر ہٹ مار کر اپنی براہ راست " ایکشینگ " بھی دکھاتا کہ فلاں کو اس طرح کہ نز سے نکل کر کیسا دھواں دار چھکا مارا تھا۔ایک دن محلے والوں نے کہا کہ ہمارا دوسرے محلے والوں کے ساتھ میچ ہے آپ ہمارے اوپنر ہونگے، میچ کا دن آگیا۔جناب کی ٹیم نے ٹاس جیت کر بیٹنگ لینے کا فیصلہ کیا۔جناب کو اوپننگ کے لیئے بھیجا گیا اور سامنے کر نے کے لیئے تیار ہو گئے، بولر آئے، گیند پھینکی اور گیند اس کی ہاتھ سے پھسل کر " فل ٹاس " بن گئی۔گیند جاتے جاتے موصوف کو " کراس " کرکے وکٹوں سے ٹکرا گئی ۔اور موصوف بغیر کوئی رنز بنائے آوٹ ہو گئے۔جناب بیٹ کمر کے پیچھے رکھ کر سر ہلاتے ہوئے انداز میں پاولین کی جگہ پر جانے لگے۔۔۔ محلے والوں نے تفتیش شروع کی بھئی کیا وجہ تھی آپ کے پہلی بال پر آوٹ ہونے کی۔اپنر گویا ہوئے پچ خراب تھی۔۔۔۔اب فل ٹاس بال کا پچ سے کیا نسبت۔۔۔۔کچھ ایسا ہی حال ہمارے شاہین کا بھی ہے۔۔دنیائے کرکٹ میں ہماری ٹیم گرین شرٹس، شاہین سے پہچانی جاتی ہے۔مگر

یہ کیا گرین شرٹس آج کل جب بھی اترتی ہے ہار کر لوٹتی ہے۔ اور بات "پچ خراب تھی" پر آ کر رکتی ہے۔ کپتان کوئی اپنی منطق سنا رہا ہوتا ہے۔ منیجمنٹ والے کچھ اپنی دھن گانے میں مصروف ہوتے ہیں۔ ہم اور اپ یہ کہہ کر اپنے اپکو تسلی دیتے ہیں کہ مودی صاحب نے ٹیلی فوں کیا تھا ورنہ بھارت کی کیا مجال جو ہمیں چت کر جائے۔۔۔ چلو دل کو خوش رکھنے کا خیال بہت اچھا۔۔۔ مگر ویسٹ انڈینز کے خلاف اس سے بھی خراب پرفارمنس کیوں ؟؟ اگر ٹیکنکل لحاظ سے دکھا جائے تو اس وقت پاکستان کمزور ترین ٹیم ہے، قیادت میں خود اعتمادی کا شدید بحران ہے۔ کھل کر اور بہادرانہ فیصلہ نہیں لے سکتے۔ اوپر سے " بچوں" پر مشتمل ٹیم کوئی کارکردگی نہیں دکھا رہی اور نہ ہی تعاون کر رہی ہیں۔ اس وقت سب سے بزرگ ، عمر رسیدہ کپتان بہت تنقید کی زد میں ہے۔ واقعی اس میں خامیاں ہیں۔ میں یہاں پر نایاب ریکارڈ ہولڈر، ٹیسٹ میچز کا "نیا نویلا تازہ تازہ بوم بوم" مسٹر مصباح الحق سے گزارش کرنا چاہونگا کہ خدا کے لیئے چند دلیرانہ فیصلے لیکر اپنے امیج کو بہتر بنائیں۔ کرکٹ اب ایک نفسیاتی جنگی کھیل بن چکی ہے جو بھی اعصاب پر قابو پاتا ہے جیت اسی کی ہوتی ہے اور اعصاب پر قابو رکھ کر ہی دلیرانہ فیصلے کیئے جا سکتے ہیں۔۔۔۔ مخالف کو نفسیاتی طور پر بھی پریشر میں رکھنا پڑتا ہے اور اس وقت مخالف ٹیموں کی نظریں دنیائے کرکٹ کے لمبے تڑنگے عرفان پر لگی ہیں۔ واقعی وہ اتنے لمبے قد کے مالک ہے کہ اسکی بال کو مارنا بیٹسمین کو مشکل میں ڈالتا

ہے، جیسے کوئی کمرے کی چھت پر سے گیند پھینک رہا ہو۔ عرفان کو ایک نفسیاتی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جانا چاہیئے وہ اس طرح سے کہ عرفان کے ساتھ بیک وقت تین اور بالر بھی استعمال کیئے جائیں ۔۔۔اس سے ہر تیسرا چوتھا اوور عرفان پر آتا جائگا اور مخالف پر ایک پریشر سا رہیے گا، وہ کھل کر آزاد ذہن سے کھیل نہیں پائینگے ۔ گو کہ ہم کمزور ٹیم ہے مگر حکمت عملی سے ہم جیت بھی سکتے ہیں۔ مجھے اپنی ٹیم پر ہنسی آرہی ہے جو لوگ ورلڈ کپ لانے کی سوچ رہیں ہیں ۔ جس ٹیم کا ریگولر وکٹ کیپر نہ ہو، جس ٹیم کے ریگولر اوپننگ جوڑی نہ ہو۔ اس ٹیم کی مڈل آرڈر میں کوئی قابل اعتماد بیٹسمین نہ ہو، جس ٹیم کے ۹ کھیلاڑی پہلی بار کسی ورلڈ کپ میں حصہ لے رہے ہو۔ اس کے لیئے ورلڈ کپ جیتنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ یہ تمام باتیں ظاہر بھی کرتی ہیں کہ ہمارے ٹیم، ہمارے ٹیم کے سرکاری افسران معاف کیجئے گا مفت خورے، منجیمنٹ اور باقی وابستہ لوگ کس قدر ورلڈ کپ لانے کے لیئے سنجیدہ ہیں۔ اور یہاں پر قوم شب بیداری میں مصروف اپنے روٹین کو بھی خراب کر رہی ہیں ۔ لہٰذا حیلے بہانوں کو ہتھیار بنا کر جان چھڑانے سے کام نہیں چلے گا حکمت عملی بہتر بنائیں ۔ اگر ایک اچھی پلاننگ کے مطابق چل پڑے، اعصاب مظبوط رہے، تو آگے جانا آسان رہیگا ورنہ بوریا بستر گول کرکے گھر آنے کی تیاری کریں۔ مودی صاحب کی چند منٹ کی فون پر اتنی خراب کرکاردگی کا بہانہ بناتے ہو تو کیا ویسٹ انڈیز کیخلاف میچ میں ویسٹ انڈیز کے وزیر اعظم

نے گھنٹہ پیکج لیا ہوا تھا کیا؟؟؟؟

ویلڈن پاکستانی شاہینز!!! لیکن مجھے ڈر ہے۔۔۔

خدا خدا کر کے پاکستان کو ورلڈ کپ دو ہزار پندرہ کی پہلی فتح نصیب ہوئی جس پر کرکٹ کے تمام شائقین کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالی کا شکر گزار ہوں۔ اس میچ میں مخالف ٹیم گو کہ شروع سے کمزور واقع ہوئی ہے مگر اس ورلڈ کپ میں عمدہ کارکردگی پیش کر رہی تھی۔ اور دنیا کے ٹاپ ٹیموں کے خلاف عمدہ کارکردگی دکھا رہی تھی۔

جب پاکستانی ٹیم ایک جگہ پر بہت مشکل سے دو چار ہو رہی تھی تو ہم سب اس کو گالیاں دے رہے تھے۔ ان کو طرح طرح کے نام دے رہے تھے، یہ یقیننا ایک جزباتی لمحات تھے اور مجھے اس سے بھی انکار نہیں کہ یہ سب ہم اس لیئے فرما رہے تھے کہ ہمیں ان کی ہار برداشت نہیں ہو رہے تھی مگر جب یہی شاہین جیت گئے تو پھر بھی ہمارا حال ملاحظہ کیجئے۔ ہم سب نے سوشل میڈیا کا رخ کیا اور اپنی جیت کا مذاق اڑانے لگے۔

ہارنے والے ٹیم کو بچوں سے تشبیہ دی، ہارنے والے ٹیم کو کمزور تریں کہہ کر جیتنے والے شاہینز کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی۔ حالانکہ اس سے پہلے کے ہار پر ہم نے کتنا برا بلا کہا انہیں۔ کیا وہ برا بلا کافی نہیں تھا جو ہم نے آج ان کے جیت کو بھی تمسخر سے استقبال کیا۔ ان کو مبارک تک بھی نہیں دی اور نہ ان کے حق میں تعریفی کلمات تک ادا کیئے۔

مجھے ڈر ہے کہ ہم آئندہ میچز ہار نہ جائے۔ کیونکہ ہم ہار برداشت نہیں کر سکتے اور جیت کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ ہم داد نہیں دیتے اور حوصلہ پست کرنے کے لیئے ہفتوں پوسٹ کر تے رہتے ہیں۔ سوشل میڈیا پر ان کا تمسخر اڑاتے رہتے ہیں۔یقیننا ہماری ٹیم میں خامیا ں بدرجہ اتم موجود ہیں لیکن یہی ٹیم صلاحیتوں سے بھی مالا مال ہے۔ ہمیں تمسخر سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

مجھے ڈر ہے کہ ایسے حالت رہی تو خدا بھی ہمارا مدد نہیں کرے گا کیونکہ خدا کو ناشکری ناپسند ہوتی ہے۔ ہمیں اپنی ہار کو اپنی جیت بنانی چاہیئے ، اور اپنی جیت پر شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اپنی جیت کا مذاق ہر گز نہیں اڑانا چاہیئے۔ اور اپنے ٹیم کو سپورٹ کرنا چاہیئے۔

دعا ہے پاکستانی شاہنیز کا سفر کامیابیوں کی اڑانوں سے بھرپور رہو۔

مصباح۔۔۔۔ مسٹر ٹک ٹک یا ماسٹر بلاسٹر

نیشنل کرکٹ ٹیم کے کپتان مصباح الحق نیازی کو بتدریج سالانہ درجہ بندی کے حساب سے لیا جائے تو پاکستان کے چوبیسویں کپتان ہے۔ ٹیم میں شامل وہ کھیلاڑی ہے جو سب سے زیادہ تعلیمایافتہ ہے، موصوف بزنیس ایڈمنسٹریشن میں ماسٹر کر چکے ہیں۔ کرکٹ میں بہت سے حوالوں سے جانے جاتے ہیں۔ سب سے عمر رسیدہ کھیلاڑی کا اعزاز، بغیر سینچری بنائے سب سے زیادہ میچز کھیلنے والے کھیلاڑی بھی ہے۔ کرکٹ میں اسے مسٹر ٹک ٹک کے نام سے جانا جاتا ہے۔ مگر مسٹر ٹک ٹک کے ساتھ ہی ماسٹر بلاسٹر" بھی ہے۔ جو دو مخالف ایوارڈ بن جاتے ہیں۔"

عام طور پر مصباح کا نام لیتے ہی سننے والا ہر کوئی کچھ عجیب سا منہ بنالیتا ہے۔ کیونکہ وہ عام طور پر بہت سست روی سے کھیلتے ہیں اگر دیکھا جائے تو تقریبا تمام ٹیموں کے اسی نمبر پر کھیلنے والوں کی سٹرایک ریٹ تقریباً ایک جیسی ہی ہے۔ مگر چونکہ ہم شائقین کرکٹ میں تشدد پسند واقع ہوئے ہیں اور کرکٹ میں بال کے ساتھ مار دھاڑ والے سلوک کرنے والے کو بہت پسند کرتے ہیں اور ہر گیند کو ہوا میں اچھالنے والے کو پسند کرتے ہیں لہذا مصباح جیسے تحمل پسند بلے باز کو پسند نہیں کرتے۔ ہمارے بعض بھائی یہ تک بھی کہہ

دیتے ہیں کہ مصباح نو بال سے ملنے والی فری ہٹ پر بھی سٹاپ کر سکتا ہے۔
مصباح الحق نیازی منفرد ریکارڈز کے مالک بھی ہیں، لوگ اسے مسٹر ٹک ٹک کے نام سے پکارتے ہیں مگر ٹیسٹ کرکٹ میں تیز ترین ۲۴ منٹ میں ففٹی بنانے کا ریکارڈ بھی اس کے پاس ہے۔ تیز ترین سینچری میکر ۵۶ بالز کا ریکارڈ بھی ان ہی کے پاس ہے،،،
ہم اس کی کپتانی پر بھی انگلی نہیں اٹھا سکتے کیونکہ پورے برصغیر کا پہلا اور واحد کپتان ہے جس نے افریقہ جیسی مظبوط ٹیم کو افریقہ ہی میں ہرایا۔۔۔اور پاکستان کے سب سے زیادہ ٹیسٹ میچز جیتنے والے کپتان بھی بن چکے ہیں۔
مسٹر ٹک ٹک کے نام سے مشہو ہم لوگ اس بات سے بھی گلو گیر ہے کہ وہ اپنے لیئے کھیلتے ہیں، آئے اس بات میں کتنا وزن ہیں کچھ چھان بین کرکے معلوم کرتے ہیں،
کرکٹ میں ہر کھیلاڑی کی خواہش ہوتی ہے وہ مرد میدان ٹھہرے، فتح میں اس کا کلیدی کردار ہو، مرد میدان کا ایوارڈ مصباح کے حق میں چھ مرتبہ آیا اور پانچ مرتبہ اس کی بدولت اللہ تعالی نے پاکستان کو فتح دلوائی۔ اور ان لمحات میں صرف ایک مرتبہ میچ ٹائی ہوا۔ کیا اس کے مرد میدان ہونے سے پاکستان کو فتح نہیں ہوئی ؟؟؟؟ لہٰذا ہمیں یہاں پر اس الزام کو بھی ریجکیٹ کرنا ہوگا۔

کرکٹ میں سینچری اور نصف سینچری کی بڑی قدر کی جاتی ہے اور کھیلاڑی یہ معرکہ سر کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں، یہ معرکہ سر کرکے ان کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی۔۔۔ ہوا میں بیٹ لہرا کر تماشایوں سے داد وصول کرتے ہیں۔ ان کے اپنے کھیلاڑی ڈریسنگ روم سے کھڑے ہو کر ان کو داد دیتے ہیں۔ کبھی کبھار بیٹسمیں چھلا نگیں لگا کر پر جوش انداز میں اپنی خوشی کا ظہار کرتے ہیں۔ مصباح الحق اکتالیس مرتبہ ففٹی کا کارنامہ انجام پا چکے ہیں اور اس میں تقریبا ۳۰ مرتبہ سے زائد پاکستان کو فتح حاصل ہوئی۔ تو ہمارا یہ الزام کہ وہ صرف اپنے لیئے کھلیتے ہیں انصاف پر مبنی نہیں۔۔ تو شائقین کا یہ الزام کہ وہ اپنے لیئے کھیلتے ہیں سراسر غلط ہے۔

مصباح شکل سے معصوم اور خشک مزاج لگتے ہیں اور شائد شائقین اس وجہ سے بھی نالاں ہو مگر موصوف میں مذاق کا عنصر بھی بھرا ہوا ہے۔ ڈیوڈ واٹمور پاکستان کے بیٹنگ کوچ تھے وہ اپنا آخری ٹیسٹ کوچ کر رہے تھے۔ پاکستان کو جیتنے کے لیئے اس میچ میں تقریبا ونڈے جیسی صورتحال کا سامنا تھا۔ مصباح بھی اس وقت کریز پر موجود تھے۔ اور وہ میچ جیت کر ہی پویلین لوٹے۔ اور گراؤنڈ سے ہی مونچوں والے واٹمور کو اپنے بغیر مونچ لیئے چہرے سے اشارہ کیا کہ واٹمور صاحب آپ کے مونچوں کا بھرم رکھ لیئا اب تاؤ دے کر گھومو پھرو۔

مصباح الحق اگرچہ سست روی سے کھیلتے ہیں مگر یہ اس کی مجبوری ہے، وہ پاکستان کے واقعی ستون ہی واقع ہوئے ہے۔ مشہور کمنٹریٹر بھی کہتے ہیں کہ مصباح کو نکال لیا جائے تو پاکستان کی ٹیم پچاس اوور بھی پورے نہیں کھیل پائی گی۔ واقعی وہ لیڈنگ فرام دی فرنٹ والا کردار ادا کر رہے ہیں۔ پتہ نہیں مجھے کیوں ایسا لگ رہا ہے ٹیم اس کا ساتھ نہیں دے رہی۔

ٹپہ لگانے میں ماہر جذباتی قوم

اللہ تعالیٰ کی اس وسیع کائنات میں لاکھوں مخلوقات بستے ہیں۔ ان جانداروں کی صحیح تعداد بھی اب تک معلوم نہیں ہوئی، سالانہ کے حساب سے دس ہزار نئے جاندار دریافت ہو رہے ہیں اور اندازہ لگایا گیا ہے کہ ان جانداروں کی تقریبا پچاس لاکھ اقسام ہونگی۔۔۔۔ ان سب جانداروں میں خالق کائنات نے انسان کو ان تمام جانداروں، مخلوقات پر فضیلت بخشی۔ انسان کو بہت سے خوبیوں سے نوازا۔ اسکو مضبوط بھی کہا گیا ہے مگر انتہائی کمزور بھی کہا گیا ہے۔ اسے سوچنے کی صلاحیت دی، اسے عقل و شعور سے نوازا۔ اسے علم عطاء فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں سے سجدہ کروایا اور تمام مخلوقات پر فوقیت دی۔۔۔۔ یہی انسان خوبیوں اور خامیوں کا مجموعہ ہے۔ جب کوئی اچھا کام کرتا ہے تو اسے شاباش ملتی ہے، اسے تپکی دے جاتے ہیں، اسے سراہا جاتا ہے۔ چاہنے والوں فخر محسوس کرنے لگتے ہیں، ٹیلی فوں آتے ہیں، اس سے ٹریٹ مانگا جاتا ہے، اور جب کوئی برا کام کر جاتا ہے، ناکام ہو جاتا ہے تو آخ توہ کی پھنکار،۔۔۔ بعض دفعہ تو انسان بہت سی خوبیوں کے باوجود بھی نظروں میں دب جاتا ہے اور بض دفعہ ایک بیان تک بھی اسے ہیرو بنا دیتی ہے۔۔

کہتے ہیں ایک دفعہ ایک نیک آدمی تھا۔ اس کے ایک شخص سے جان پہچان تھی ہر دفعہ اس کے کام آتا، اسکی ضروریات پوری کرتا لیکن ایک دفعہ کسی بنا پر اس کی ضرورت پوری نہ کر سکا اور وہ شخص ناراض ہو گیا اب جس سے بھی ملتا اسکی پبلیسٹی یوں کرتا کہ وہ اچھا آدمی نہیں۔ وہاں ایک دوسرا آدمی بھی تھا جو ظلم و زیادتی میں مشہور تھا۔۔۔۔ ہر بار ایک دوسرے شخص کے ساتھ زیادتی کرتا ایک دن اس کے ساتھ زیادتی نہیں کی تو اسکی نظر میں اچھا بن گیا۔ کیا رائے قائم کرنے والے دونوں اشخاص ٹھیک تھے۔؟

آیئے کچھ اپنی بات کرتے ہیں۔

نواز شریف اس وقت ستر فی صد پاکستانیوں کو اچھا نہیں لگتا۔ ستر فی صد پاکستانی اس کو وزارت اعظمیٰ کے منصب ملنے پر نالاں ہیں۔ وہ انہیں دھاندلی سے کامیاب شدہ سمجھتے ہیں۔۔۔۔ بعض تحفظات اپنی جگہ بالکل ٹھیک مگر اس کی اچھی اقدام کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔۔۔ حالانکہ پندرہ سال پہلے ہر کوئی زبان زد و عام پر یہی بات تھی کہ نواز شریف پاکستان کو ایشئن ٹائیگر بننے چلا ہے۔ اب ان کی کوئی کام بھی ان کو نہیں بھاتا۔

عمران خان ستر فی صد سے زاید پاکستانیوں کے دل کی دھڑکن ہے۔ وہ انہی کو وزارات اعظمیٰ کی سیٹ پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ بہت مخلص نظر آتے ہیں۔ پاکستانی سیاست میں نئی روح ڈال دی ہے۔ امید کی ایک کرن پیدا کی ہے۔

خودادری کی جانب قدم اٹھایا ہے۔ مگر دوسری طرف اس کے ساتھیوں کی غفلت سمجھیئے ، یا اداروں کی ان کے ساتھ تعاون کی عدم ادائیگی۔۔۔۔ ابھی تھک کوئی خاص کارکردگی نہیں دکھائی۔ حالانکہ قدم ضرور بڑھائیں ہیں۔ تو ہم ٹپہ لگانے چلے کہ ناکام ہو گئے۔ ہم میں اکثر ان کے روشن پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔

جاوید چوہدری ایک مشہور و معروف کالم نگار ہے۔ صحافی برادری میں اس کو کم عمری ہی میں اتنی شہرت ملی کی آج تک کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی اس کے چاہنے والوں کی تعداد لاکھوں میں ہیں، بہت ہی اچھا لکھتے ہیں، اسکے زیادہ تر آرٹیکلز سماجی ، انسان کو موٹیویٹ کرنے کے لیئے ہوتے ہیں۔ لیکن ایک عرصہ سے اپنا نقطہ نظر عمران خان سے میچ نہیں کر پا رہے تھے یوں جوانوں کی نظر میں لفافہ بن گئے۔ اور ان کو ناپسند کرنے لگے۔ حالانکہ ان کے سارے آرٹیکلز عمران خان کے خلاف نہیں لکھے گئے، نہ نواز شریف کو سپورٹ کرنے کے لیئے۔ مگر اس نے جتنی بھی اچھی باتیں کی ہوں وہ پس پشت گئیں اور ہم نے اس کا نام تک بھی نہیں سننا۔ ان پر ٹپہ لگا دیا کہ بس لفافہ بن گئے۔

کیا سب باتیں ظاہر نہیں کرتیں کہ ہم جذبات کی رو میں بہنی والے قوم ہیں۔ ہمیں برائیوں کو گنتے وقت ان کی اچھایوں کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ہمیں ان کی اچھی باتوں کو بھی سامنے لانا ہوگا اور ان کی اچھی خوبیوں کی قدر کرکے ان کی تائید کرنی چاہیئے ، لیکن سب سے اہم کہ یہی سوچ روزمرہ زندگی میں بھی اپنانی چاہیئے کوئی آج کسی وجہ سے بھلائی نہ کریں تو یہ اس کی خامی میں شمار نہ کی جائے اس کی اچھایوں پر نظر دوڑائیں، سیاست میں نہ دوڑائیں، سہی مگر معاشرہ کی حدتک تو ضرور۔۔۔۔ ہمیں ہر پہلو پر دھیان دیکر کوئی فیصلہ کرنا چاہیئے ،ہر ایک فیصلے سے انصاف کرنا چاہیئے شاید اس بات سے ہمارے ٹوٹتے رشتے بچ جائیں۔ کسی کی دل آزاری نہ ہو۔ کوئی ہم سے غلط تاثر نہ لے اور کسی سے ہم غلط تاثر لیکر بیٹھ جائیں۔

کرکٹ میچ ہارنے پر جذباتی ہو کر ٹی وی سیٹ تھوڑ کر قومی ٹیم پر غداری کا ٹپہ۔۔۔آفریدی کو اس کے دو تین چھکوں سے لطف اندوز ہو کر اس کے باقی چار میچوں میں دس کی اوسط سے رنز بھلا کر مصباح کی پچاس رنز فی اننگ کے حساب سے رنز بنانے پر بھی مسٹر ٹکٹ ٹکٹ کا ٹپہ ۔۔۔۔

سلام ہر پاکستانی کو !!!

میں نے اس سے کہا میں پاکستان سے ہوں، مجھے تجسس ہو رہی تھی کہ باہر کے لوگوں سے پوچھ سکوں کہ وہ پاکستان کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں۔ سوال داغ دیا کہ اپ پاکستان کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟ اس نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا کچھ خاص نہیں۔ میں نے پھر پوچھا پھر بھی۔۔۔ میں اس کے انداز سے واقف ہو چکا تھا کہ اس کا متوقع جواب کیا ہو گا لیکن پھر بھی اسکا جواب سننا چاہ رہا تھا۔ اس نے کہا کہ کبھی کبھار خبروں میں پاکستان کا نام سن لیتے ہیں۔۔۔ پھر مجھے تھوڑی سی خفت کا سامنا کرنا پڑا اور پھر کہا۔۔۔ کیا؟؟؟؟ اس نے کہا کہ یہی کہ دھماکے ہوتے ہیں، لوگ ایک دوسرے کی گردن اڑاتے ہیں۔ اپ لوگ مسجد میں بھی قتل کرتے ہو۔ سودا لینے نکلے اور کچلے گئے۔۔۔ میں اسے قائل کرنے کی بھرپور کوشش کرنے لگا کہ نہیں یہ ایک میڈیا کی سازش ہے۔۔ ہم ایک سازش کا شکار ہے۔۔۔ مگر وہ حقیت ہی بیان کر رہا تھا اور میں اپنے دیس کے نام کے بارے میں بری حقیقت سے انکھیں چرا رہا تھا کیونکہ اپنا گھر جیسا بھی ہو پرائے کے منہ سے اسکے بارے میں ادھر ادھر کی سننا برا ضرور لگتا ہے۔

جی ہاں ایسے ان گنت مثالیں اپ کے پاس بھی ہو نگے جو سو شل میڈیا کو استعمال کرتے ہیں۔ انہیں بھی روزانہ یا کسی نہ کسی دن پاکستان کا نام سنتے ہیں ایسے بے شمار، ان گنت، کرخت سوالوں کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ اور جواب میں دفاع کی کوشش بھی کی ہو گی مگر حقیقت تو پھر بھی حقیقت ہو تی ہے۔ چاہے اپ بھیڑ کے کی طرح سر گردن میں چھپا کر آنکھیں چرا ہی کیوں نہ لیں۔

ہاں ہم برے دور سے گزر رہے ہیں۔ وطن عزیز کو بہت سے مسائل کا سامنا ہے۔ ہم روزانہ لو ڈشیڈنگ کی اذیت سہنا پڑتی ہے۔۔۔ ہمیں ہسپتالوں میں جانوروں جیسا سلوک بھرتا جاتا ہے۔۔۔ ہمیں ٹرانسپورٹ کا معیار بھی بہتر نہیں اور بھیڑ بکریوں کی طرح گا ڑیوں میں ٹھونس دیا جاتا ہے۔ ہماری سڑکیں اعلیٰ معیار کی نہیں جگہ جگہ پر بیٹھ جاتی ہے۔۔۔ ہاں ہم محفوظ بھی تصور نہیں کئے جاتے۔ ہاں یہ سب ہمیں نظر اتا ہے اور دنیا کو بھی۔۔۔۔ ہم کسی غیر کو یہ کہہ کر اپنا اپ کو اور اسے مطمئن کر دیتے ہیں کہ لیڈر شپ کی کمی ہے۔ کرپٹ لوگوں نے پاکستان کو لوٹا۔۔۔ لیکن دید کے زاوئے اپنے تک نہیں گھومتے، اپنے گریبان میں جھانکتے تک نہیں۔ اپنے رویوں پر غور تک نہیں فرماتے۔۔۔ اور تو اور اس سسٹم کو ڈی ریل کرنے کی اپنی بھرپور کوشش کرتے ہیں وہ کیسے۔۔۔اس کو سمجھنے لے لیئے یی ایک جملہ ہی کافی کہ چلتا ہے بھائی یہ پاکستان ہے۔۔۔ اور ایسا کہتے ہوئے ہمیں زرا بھر بھی ندامت نہیں ہو تی۔۔ تو

ہم سسٹم سے، پاکستان سے، غیروں کی سلغار سے، ٹیکس لگاتے حکمرانوں سے، جمہوریت بچاتے سیاستدانوں سے کیسے اور کیونکر گلہ کر سکتے ہیں جب کہ اپنے ہی گھر کو اپنے ہی ہاتھوں، بوتوں اور لاتوں سے برباد کرنے پر تولے ہوئے ہیں۔۔۔

زرا پاکستان کی وجود میں آنے، اس کے مقاصد پر غور تو کیجئے۔ پاکستان پاک لوگوں کی رہنے کے لیئے معرض وجود میں آیا تھا۔ اسلام کی نام پر وجود میں آیا۔۔ اس کی ترقی کے لیئے کام کرنا، اس کے لیئے اچھا سوچنا میں عین ثواب کا کام سمجھتا ہوں اور وطن سے محبت ایمان کا ایک جزو ہوتا ہے۔ یعنی جس کسی کے دل میں وطن سے محبت نہیں اس کے ایمان کا یک جزو خالی ہے۔ پاکستان مٹنے لیئے کبھی نہیں بنا اور نہ ہی دنیا کی کوئی طاقت اسے مٹا سکتی ہے جب تک اللہ تعالی کی رحمت اس پر ہے، جب تک ہماری سوچ ایک دوسرے کے لیئے نیک اور اچھی ہے،۔۔۔جب تک ہمارا نظام اخوت والا ہو۔۔ جب تک ہم اپنے حالات بدلنے کے لیئے کھڑے ہو۔ جب تک ہم اپنے اسلاف کے بتائے ہوئے خودی کی اصولوں پر عمل پیرا ہوں۔ جب تک ہم انصاف کا بھول بالا رکھیں گے۔۔۔ جب تک ہم اپنی سوچ کا معیار اپنی چوکھٹ کے پار رکھیں گے اور اجتماعی کاموں کو فوقیت دیتے رہیں گے۔ تو ہماری قیادت بھی صحیح منتخب ہو گی۔ ہم اپنا کھویا ہوا مقام بھی پالیں گے، ہم غیروں کے ہاتھوں میں پھلنے پھولنے سے بھی محفوظ رہیں گے۔

اور لوگ ہمیں اچھی خبروں میں بھی دیکھا کریں گے۔ ان کو کرخت اور چبھتے سوالات کا موقع کبھی نہیں ملے گا اور نہ ہی ہمیں غیروں کے سامنے حیلے بہانوں سے کام لینا پڑیگا۔

--

تو آیئے اس چودہ اگست سے ایک عزم کریں ایک نیک اور پاک ارادہ کریں کہ ہم رواداری کو فروغ دیں گے، اپنے رویوں میں مثبت تبدیلی لائیں گے۔ پاک وطن کے لیئے کچھ کر کے ہی رہینگے، جو بے حد حسین، اور خزانوں سے مالا مال ہے، جو ایک چھپا ہوا خزانہ ہے۔ اس کی ترقی کے لیئے ہر ممکن کوشش کرینگے اور اس کے باشندوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیئنگے۔ مظلوم کا ساتھ دینگے اور ظلم پر چپ سادھ نہیں لیں گے۔۔۔۔ ہاں ہمیں ان گنت مسائل کا سامنا ہے لیکن ان مسائل کو برداشت کرنے پر، ان کا دلیری سے مقابلہ کرنے پر پاکستان کے پاک، غیور باشندے یقینا سلام کے مستحق ہے۔ جنہوں نے قربانیاں دی اور قربانیاں دے رہے ہیں اور پھر بھی ان کے دل سے پاک وبن تو سلامت رہے کی دعائیں رہتی ہے کیونکہ یہی غیور عوام جانتی ہے کہ پاکستان ہمارا گھر ہے گھر سلامت نہیں رہتا تو کچھ بھی سلامت نہیں رہتا۔ کیونکہ یہ جانتے ہیں اس وطن کا ذرہ آفتاب ان ہی ہیں۔ بس اپنے حصہ کا دیا جلانا ہے۔ حالات جتنے بھی کھٹن ہیں، اندھیرا مٹنے ہی والا ہے، گھر جیسا بھی ہے سر چھپانے کے لیئے جگہ تو میسر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پاک وطن کی ہر طرف سے حفاظت عطاء فرمائیں اور اس کے پاک

وطن کے غیور، نڈر بسنے والوں کو سلامتی عطاء فرمائیں۔ پاک وطن کے حسین لوگوں تمہیں سلام جو ان حالات کو برداشت کرکے قدم قدم پر وطن عزیز کی سلامتی کے لیئے تگ ودو میں مصروف ہو۔ مجھے تم پر فخر ہیں۔

کنفیوژن ہی کنفیوژن

ایک اندازے کے مطابق کرہ ارض پر تقریبا پینسٹھ سو زبانیں بولی جاتی ہیں۔ جس میں دو ہزار کے قریب ایسی زبانیں بھی ہیں جن کی بولنے والوں کی تعداد نہایت قلیل ہیں جن کے بولنے والوں کی تعداد ایک ایک ہزار سے کم ہیں۔ اور جس زبان کو خصوصیت حاصل ہیں وہ مندارین زبان ہیں جس کے بولنے والے اس دنیا میں سب سے زیادہ ہیں۔ مندارین، چائینہ کی مادری زبان کہلائی جاتی ہے جسے دنیا بھر میں سب سے مشکل ترین زبان گردانا جاتا ہے۔ اس کے بہت سے الفاظ کے درمیان اپ فرق نہیں کر سکتے مگر صرف لہجے کے لحاظ سے کر سکتے ہیں۔ کیونکہ انہیں چار مختلف لہجوں سے ادا کرنا پڑتا ہے۔ مگر خاص بات چار سو ملین لوگ اپنی زبان کو بالکل بول ہی نہیں سکتے اور ایک کثیر تعداد اسکو توڑ مروڑ کر بہت بری طرح بمشکل بول پاتے ہیں۔ یونیسکو کے ایک رپورٹ کے مطابق پیارے ملک پاکستان میں اس وقت ستائیس کے قریب زبانیں بولی جاتی ہیں۔ مگر رابطہ زبان اردو ہی کہلائی جاتی ہیں۔ جو بندہ مقامی زبانوں لے سمجھنے سے قاصر ہو، اردو اس کے لیئے ایک نعمت سے کم نہیں ہوتا۔ یہ ایک خوش ائیند خبر ہے کہ سپریم کورٹ کے حکم پر اردو کو سرکاری، دفتری زبان بنانے کا پروانہ جاری ہو چکا ہے۔ ایئے ذرا دیکھیں انگریزی نے ہمارے معاشرے پر کیا اور کس حد تک

اثرات چھوڑے ہیں۔

داغ دہلوی کے مطابق

اردو ہے جسکا نام ہمیں جانتے ہیں داغ

ساری جہان میں دھوم ہماری زبان کی ہے

مگر داغ صاحب یہ شعر کس حیثیت سے کہہ گئے اس کا پس منظر معلوم نہیں۔ داغ صاحب سب سے بڑی زبان تو مندارین ٹھہری، ، انٹر نیشنل زبان بھی انگلش ٹھہری، اب رہی اردو تو یہ پاکستان کی زبان کہلائی مگر ہم نے اس کے ساتھ یہ حشر کیا کہ اپ کسی بچے سے پوچھے بیٹا کونسی کلاس میں میں ہوں، جواب ائگا تیسری کلاس میں ۔۔۔ اچھا بیٹا تمیں لکھیں ،، وہ اپکو حیران و پریشان دیکھے گا کہ یہ کونسا لفظ سن رہا ہوں۔۔ وہ کہے گا مجھے یہ نہیں اتا اپ پھر پوچھیں تھرٹی لکھیں وہ ڈایریکٹ زمیں پر ایک بڑے سے صفر کے ساتھ تین لکھ دیگا۔۔۔۔ اب جبکہ ہم اردو کے بجائے اپنے بچوں کو بھی انگریزی میں بات سکھانا، تعلیم دینا چاہتے ہیں تو حکومت اردو کو توجہ دے رہے ہین اور جب ہم انگریزی سے سے بری رح چھڑ رہے تھے تب انگریزی ہم پر مسلط کی جا رہی تھی۔ اپ ایلیٹ کلاس کے بچوں سے لیکر بوڑھوں تک کا مشاہدہ کریں۔۔ان کے ڈیلی لائف کے الفاظ جو وہ استعمال کر رہے ہیں ان کا مشاہدہ کریں۔۔۔۔۔ اپکو چند گنتی کے اردو الفاظ ڈھونڈ پایں گے۔

اپ کسی درمیانہ پڑھے لکھے شخص کے ساتھ بیٹھ کر اسکے ساتھ بات چیت شروع کیجئے۔ سلام کے بعد اس کا پہلا لفظ ہی انگریزی سے سٹارٹ ہو گا۔ ایجو کیشن کا کیا ہوا۔؟۔ کو نسے ایئر میں ہو۔۔ ؟؟؟؟

اپ دکاندار کے پاس جایئے، اس سے گفتگو کیجئے۔۔۔ "ہاں جی بالکل فریش سبزی ہے۔ اپ کے ساتھ سپیشل کنسیشن کیا جائے گا" ۔اپ کنڈیکٹر کے ساتھ تھوڑا فری ہو کر دیکھئے وہ ضرور انگلش کی الفاظ اپنی باتوں میں شامل کرکے کہے گا کیا" ڈائیلا گونہ پریده، سماخبره کاوه" ۔۔۔۔

انگریزی کا اثر ہماری خواتین پر کچھ زیادہ ہی ہو رہا ہے۔ دو ماڈرن سہلیاں مل رہی ہو تو ہائے، جدا ہو رہی ہو تو بائے۔۔۔۔

اور تو اور ہم گدھے سے بات تک بھی انگریزی میں ہی کرتے ہیں۔ ہمارے اکثر علاقوں میں گدھے کو تیز چلانا ہو تو" ہری ہری "کی گردان دہراتے ہیں جو کہ ایک انگریزی کا لفظ "ہری" مطلب جلدی۔۔۔۔

جناب عالی، انگریزی ہم میں رچ بس گئی ہے۔اپ کسی کو جناب کہہ کے پکارئے اور

اس کے تیور میں کوئی فرق نہیں ائے گا اپ اسے سر کہہ کر پکارئے پھر دیکھئے اس کے تیور میں ایک سو اسی درجے کا فرق اتا ہے کہ نہیں۔۔۔۔ جو فیصلہ چالیس سال پہلے ایمپلیمنٹ ہونا تھا اسے آج مسلط کرکے قوم کو کنفیوژن میں مبتلا کر دیا ہے۔ اردو کو تین ، چار دہائی پہلے نافذ کر دیا جاتا تو حالت یوں نہ ہوتی آج سپریم کورٹ کی خبر کچھ اس حالات میں موضوع گفتگو ہو گی۔ سنواج کی " فریش نیوز"۔ سپریم کورٹ نے اردو کوا "از اے افیشل لینگو یج کنسیڈر" کیا ہے۔ اب اپ کو "لیو" کے لیئے " ایپلیکیشن " انگلش کے بجائے اردو میں لکھنی ہو گی جس سے اپ بہت '" ایزی فیل" کر ینگے۔ اور لکھنے میں بھی کوئی" پرابلم" نہیں ہو گی۔ اب اپنے "بوس" کے سامنے لکھتے وقت کسی قسم کے " ہیزیٹیشن" کا شکار نہیں ہو نگے۔ فارم " فل" کرنے کے لیئے کسی دوسرے پہ "ڈیپینڈ" نہیں کرینگے۔ "میجارٹی" کو "ریڈنگ" میں بھی کسی " ڈیفلیکلٹی" کو" فیس" نہیں کرنا پڑیگا اور اپ ا"یزی نیس" "فیل" کرینگے۔ جس سے اپ کی "پر فارمنس" " ویری گڈ" کہلائی جائے گی اور "پاسیبل" ہے کہ اپکو" منتلی بونس" بھی مل جائے۔

ہمارے زیادہ تر بچوں کی یہی حالت ہے۔ کہ تیں لکھ نہیں سکتے اور تھرٹی جت سے لکھ دیتے ہیں۔ تیں اردو زبان میں تھرٹی کو کہا جاتا ہے مگر ہم نے شروع ہی سے قومی زبان پر انگریزی کو ترجیح دی۔ یہ اس لیئے نہیں کہ اردو ایک بہت

مشکل زبان ہے، یہ اس لیئے کہ ہم نے غیروں سے متاثر ہونے کی روش برقرار رکھی اور اسے نسلوں تک بھی پھیلا دیا جب انگریزی ہماری رگوں میں رچ بس گئ اور ہماری روزمرہ کی زندگی میں شامل ہونی لگی تو ہمیں تب قومی زبان کا خیال انے لگا جب ہم اسے کے بیشتر لفظ ہی بھول چکے ہیں، یہ یقیننا اب ہمیں مشکل زبان لگے گا، یہ یقیننا ہمارے سر میں درد بھی پیدا کرے گا کیونکہ ہم نے اس سے دوری اخیتار کی تھی۔
اردو ا "زاے افیشل لینگویج" اس وقت رائج کیا جا رہا ہے جہاں ہم پوری طرح انگریزی سے نہائے ہوئے ہیں۔ اپ ایلیٹ کلاس سے لیکر ایک عام دیہاتی پر نظر دوڑائے اپکو پورا منظر دیکھائی دے گا۔ جس بات کا فیصلہ تین چار دھائی پہلے کرنا تھا وہ سست روئی کا شکار ہو کر آج کیا جا رہا ہے۔ اور آج ایمپلیمنٹ بھی ہو گیا، یہ کنفیوژن نہیں تو اور کیا ہے۔۔۔۔؟؟؟؟؟؟

انڈیا کا شمشیر پر بھروسہ۔۔۔۔

امریکہ کرہ ارض پر موجود دو سو سے زائد ممالک میں وہ واحد ملک ہے جو اپنے افواج پر بے تحاشہ خرچ کر رہا ہے۔ امریکہ کے افواج پانچ مختلف حصوں میں تقسیم ہیں اور ان کے سالانہ اخراجات تقریبا سات سو ملین ڈالر ہیں۔۔۔ امریکہ اپنے ایک جنگی سپاہی کو بیک وقت سترہ ہزار پانچ سو ڈالر کے لوازمات سونپتا ہے اور مستقبل قریب کے ایک عشرے میں یہ اخراجات اٹھائیس ہزار ڈالر تک پہنچنے کا وقت حاظر کے یہ یا جوج ماجوج ارادہ رکھتے ہیں، امریکہ کا ایک جنگی سپاہی تقریبا ۳۰ کلو جنگی سامان ساتھ لیئے گھومتا ہے۔۔۔۔ انیس سو ساٹھ کے عشرے میں یہ اخراجات تقریبا ایک ہزار ڈالر تھے، جس وقت پاکستانی فوج انڈیا کے جنگی جنون سے نبرد آزماوں کے ساتھ بہت کم سامان ہوا کرتا تھا۔ مگر جذبہ ایمانی سے لبریز اس فوج نے نہ صرف دشمن بھارتی فوج کے ہر جارحیت، ہر وار کو پسپا کرکے مردانہ وار، دیوانہ وار مقابلہ کیا بلکہ ان سے ان کے علاقے بھی چھین لیئے۔ اس کے مقابلے میں جنگی وسائل سے مالا مال دوسروں طاقت کے بل بوتے پر اپنی دھاک بیٹھانے کے خواہشمند امریکہ نے اتنی کامیابیاں نہیں سمیٹھی، یہ جہاں بھی گیا دلدل میں پھنستا ہی چلا گیا۔ ایک سے بڑھ کر ایک ہتھیار استعمال کرتا چلا گیا۔ فضائی طاقت کا بے پناہ استعمال کرتا چلا گیا۔ زمینی افواج کی مدد

بھی لی مگر خاطر خواہ کامیابی نہ حاصل کر سکا۔ وجہ اس کی صاف ظاہر ہے کہ امریکہ کا مقصد اور جذبہ کچھ اور ہوتا ہے، وہ غاصب ہونا چاہتا ہے اور ہتھیاروں پر مکمل بھروسہ کرکے جیتنا چاہتا ہے۔ مانا کہ جنگ میں ہتھیاروں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، مگر ہتھیاروں کے بل بوتے پر اپ جنگ جیت نہیں سکتے، جنگ جزبوں سے جیتی جاتی ہے اور پاکستانی بہادر افواج میں وطن پر مر مٹنے کا جزبہ سر چڑھ کر بولتا ہے۔ دنیا کے مقابلے میں وسائل کے لحاظ سے ہماری افواج کمزور شمار کیئے جاتے ہیں مگر جنگ جیتنے کے لیئے جو جذبہ چاہیئے وہ پاکستانی افواج کے علاوہ دنیا کے کسی اور فوج میں نہیں۔ اپ انیس سو پینسٹھ کی مثال دے سکتے ہیں، جب بھی اسے بہترین جرنیل ملے دنیا نے دکھا اس فوج نے دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اس نے دشمن کے ایک چال بھی کامیاب نہیں ہونے دی اور بھرپور جوابی کاروائی کرتا چلا گیا۔ ملک پر جب کبھی بھی ناگہانی آفت ائی ملک کے بہادر جوان ہر اس جگہ پہنچ گئے جہاں پہنچنا ناممکن تھا۔ ملکی سرحدوں کا دفاع کرنے والے یہ دلیر اور باہمت فوج نقطہ انجماد سے نیچے درجہ حرارت میں بھی مستعدی سے اپنا فریضہ انجام دیکر وطن کے سرحدوں کی رکھوالی کر رہے ہیں۔

آج انڈیا جنگ کے لیئے پھر تول رہا ہے تو یہ اسکا نفسیاتی مسئلہ ہے کیونکہ آج سے ۵۰ سال پہلے ان کے بزرگوں کی ناپاک خواہش کو پاکستانی بہترین افواج

نے لات مار کر الٹا جواب دیا گیا تھا جو وہ رات کی تاریکی میں حملہ اور ہو کر صبح کا ناشتہ پاکستان کے لاہور میں کرنا چاہ رہے تھے۔ مگر انہیں کیا خبر تھی پاکستانی فوج کے ہاتھوں انہیں اپنا ہی خون پینا پڑے گا۔۔۔۔ لیکن یاد رکھے انڈیا پاکستان آج بھی وہی فوج رکھتا ہے جس نے تم کو ناکھوں چنے چبھوا کر تم سے تمہارے علاقے چھین لیئے تھے۔ اور تم روتے ہوئے اقوام متحدہ کے پاس گئے کہ پاکستان ہماری بینڈ بجھا رہا ہے کچھ کرو۔

پاکستان امن پسند ملک ہے اور امن کیخا طر گزشتہ دو عشروں سے قربانیاں دیتا چلا آ رہا ہے مگر انڈیا مسلسل کنٹرول لائن کی خلاف ورزی کرکے پاکستان کو جنگ پر اکسا رہا ہے۔ اسے اپنے فوجی وسائل اور نفری پر تھوڑا سا ناز ہو گیا ہے۔ وہ ہم سے پانچ گنا زیادہ فوج رکھتا ہے اسے اس بات کا گھمنڈ ہے شاید۔ ورکنگ باونڈری پر فائرنگ کر کے معصوم شہریوں کو شہید کیا جا رہا ہے۔ جنگ کا اتنا ہی شوق ہے تو اعلان کرکے کیوں نہ اپنے اپ کو آزمایا جائے۔ ایسے میں انڈیا کو بھرپور جواب دینے کی ضرورت ہے جو اسے پچاس سال پہلے کے واقعات کی یاد تازہ کرا دے۔

چھ ستمبر پاکستان کے ان شہیدوں ان غازیوں ان بہادر سپاہیوں کی یاد دلاتا ہے جنہوں نے جذبہ ایمانی سے لبریز ہو کر اس پاک وطن ، اس پاک مٹی کے لیئے لڑے، جان دی اور ایسے لڑے کہ دشمن ورطہ حیرت میں ڈوب گیا۔ وہ اس پاکستان پر

حملہ اور ہوئے تھے جو ابھی پوری طرح سے جوان بھی نہیں ہوا تھا اس کی عمر اٹھارہ سال ہی بمشکل ہوئی تھی اور دشمن کی یہ سوچ تھی کہ وسائل سے کمزور پاکستان کو با اسانی قابو کیا جاسکے گا مگر ان شہیدوں ان غازیوں نے ان ہندو افواج کی یہ سوچ ہی الٹ دی کہ وسائل سے جنگ جیتی جا سکتی ہے۔ آج ان کو جو تھوڑا سا گھمنڈ اپنی پانچ گنا زیادہ فوج پر ہو گیا ہے تو ان کو پچاس سال پہلے کی اپنی اوقات بھی نہیں بھولنی چاہیئے۔ جو ہماری بہادر افواج نے یاد دلا دی تھی۔ جنگ جیتنے کے لیئے جذبہ چاہیئے اور وہ جذبہ ایمانی پاک فوج میں کوٹ کوٹ کر بھرہوا ہے۔ انڈیا تمہاری واٹ لگانے کے لیئے تو ہماری سمت سے انے والی ایک کبوتر ہی کافی ہے۔ تم کیا خاک مقابلہ کروں گے جوان ہمت، عزم بلند، مرد مومن، نعرہ حق بلند کرنے والے کا۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے کہ بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

پاک فوج زندہ باد

انڈین فلمیں اور ہماری خاموشی

آسکر ایوارڈ فلمی دنیا کا سب سے بڑا ایوارڈ جانا جاتا ہے۔ اسے اکیڈیمی ایوارڈ بھی کہتے ہیں۔ یہ فلمی دنیا کا " نوبل پرائز " ہوتا ہے۔ یہ ایوارڈ تین اعشاریہ آٹھ کلو گرام کا تقریبا ایک فٹ کے قریب مجسمہ ہوتا ہے جو خالص سونے کا بنا ہوتا ہے۔ یہ حیرت انگیز حد تک بہترین اداکاری کے جوہر دکھانے پر دیا جاتا ہے۔ فلمی دنیا کے ستاروں کے لیئے اس سے بڑا ایوارڈ کوئی اور نہیں ہوتا۔ جس کی خواہش پر ایک فنکار کے دل میں حسرت لیئے موجزن رہتی ہے جس کے حصول کے لیئے وہ سر توڑ کوشش کرتے ہیں۔ اور ہر سال منعقد ہونے والے آسکر ایوارڈ کے لیئے منتخب ہونے کی جستجو میں اداکاری میں حیرت انگیز حد تک کھونے کی کوشش کرتے ہیں۔ آسکر ایوارڈ کا سلسلہ 1929 سے شروع ہوا جو تاحال جاری ہے۔ بھارت بھی ایک بڑی فلم انڈسٹری کے طور پر سامنے آیا ہے اور آسکر کے لیئے سالانہ کی بنیاد پر فلمیں بھی نامزد ہو رہی ہیں لیکن پاکستان اس دوڑ میں بہت پیچھے جا رہا ہے۔

پرانے وقتوں کی کہاوت ہے جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔۔۔ بالکل اسی طرح نئے وقت میں جس کی میڈیا تک رسائی بہتر اس کی " امیج " image بھی بہتر۔۔۔ فلم

بظاہر تو انٹرٹینمنٹ کا ایک حصہ ہے مگر اسے بہت سے مقاصد کے لیئے استعمال کیا جا سکتا ہے اور اس کا استعمال جاری بھی ہے۔ فلم کی کہانی، فلمی ہیرو بہت حد تک معاشرے پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ پڑوسی ممالک کا کلچر بھی ان اثرات سے محفوظ نہیں ہوتا۔ اپ پاکستان اور ہندوستان کی مثال لے سکتے ہیں۔۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان کی فلم انڈسٹری پاکستان سے کہیں اگے ہیں۔ اس کی ایک ہٹ فلم چار سو کروڑ سے اوپر کا بزنیس کر رہی ہے اور ایک ہٹ فلم پر وہ پچاس کروڑ خرچ کر رہا ہے۔ اس کے مقابلے میں پاکستانی فلم انڈسٹری مکمل طور پر فلاپ دکھائی دیتی ہیں۔ ہم ایک عشرے سے ایک ہی طرح کے فلم بناتے آ رہے ہیں۔ جس میں بڑے بڑے مونچوں کے ساتھ غضبناک ہیرو، کلہاڑی لیئے غراتا رہتا ہے اور ہیروئین کھیتوں میں بھاگتی رہتی ہے یا ناچ ناچ کر کھیتوں کا ستیا ناس کر دیتی ہیں۔ جس کی وجہ سے فلم بین اکتا جاتے ہیں۔ انڈین فلمیں پاکستان سمیت دنیا بھر میں بڑے شوق سے دیکھے جاتے ہیں، اور انڈین فلمیں ایک بڑی انڈسٹری کے طور پر ابھری ہے۔ لیکن انڈیا پاکستان دشمنی میں یہاں بھی آگے ہی آگے رہا۔ پاکستان اور اس کے عوام نے ہمیشہ کھلے دل کا مظاہرہ کرکے اسکے اچھے فلموں اور اداکاروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا لیکن بھارت کی ہٹ دھرمی اور اور تعصب یہاں پر بھی نہیں گئی اور پاکستان دشمنی میں آگے ہی آگے رہا جس کی واضح مثال حالیہانڈین " فینٹم " نامی فلم ہے۔ جس میں ممبئ حملوں کا پاکستان سے ناطہ جوڑنے کی کوشش کی

ہے اور پاکستان کو بے عزت کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی ہے۔ اور براہ راست پاکستان کا نام لیکر اس کے باشندوں کو دہشت گرد دکھایا گیا ہے۔ جسے ایک عام پاکستانی محب وطن پاکستانی نے مکمل طور پر ریجکیٹ کر ڈالا۔ اس فلم میں واضح طور پر پاکستان، کو دہشت گرد دکھایا گیا ہے اور انڈیا میں دہشت گردی کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے جو یہ سب کچھ ایک عام پاکستانی کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ انڈیا شروع ہی سے شدت پسند رہا ہے اور کھل کر پاکستان کی، پاکستانی عوام کی مکمل طور پر نفرت سے بھرا واقع ہوا ہے۔ تعصب کا یہ معیار کہ معصوم کرکٹرز کو بھی اپنے ملک میں کھیلنے نہیں دے رہا۔ اور اس میں بھارتی شدت پسند تنظیمیں کسی بھی حد تک جانے سے گریز نہیں کرتیں۔ جبکہ اس کے مقابلے میں پاکستانی عوام پاکستانی حکومت ہمیشہ ہی سے امن ودوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے۔ ان کے فنکار ہو یا کرکٹر اپنے ملک میں ہمیشہ مہمان ہی سمجھا، ان کی مہمان نوازی میں کسی نے کوئی کسر نہیں چھوڑی، ان کے پاکستان میں چھوڑے ہوئے گھروں کو ایک ورثہ تک کی حیثیت حاصل ہے۔ تو ایسے میں فینٹم جیسی فلم سے پاکستانی تشخص کو خراب کرنا نہایت فضول بات ہے۔ اب جبکہ یہ ایک میڈیا وار بن چکی ہے تو ہمارا بھی فرض بنتا ہے کہ انڈیا کو بے نقاب کرکے اس کے سارے کالے کرتوتوں اور دہشت گردی کا منہ توڑ جواب دیا جائے اور ایسی فلمیوں کے زریعے ان کو بے نقاب کریں۔ ہم فن میں ان سے کیا کم ہے جو وہ گیت بھی ہمارے استعمال کر رہا ہے اور اداکار بھی۔ مگر ہم اس

دوڑ میں بھی بہت پیچھے جا رہے، انڈین آسکرز لے رہے ہیں اور ہم ہے کہ ایک ہی طرح کے فلموں سے بوریت کا شکار ہو رہے ہیں۔

ہمیں بھی ٹیکنالوجی اور میڈیا کے اس دور میں ان کا مثبت استعمال کرکے اس سے دور رس نتائج حاصل کرنے چاہیئے اور جو بھی ہمیں اس میدان میں ہمارے ساتھ جس طرح سلوک کرے اس کا اس میدان میں بھی دو ٹوک جواب دینا چاہیئے۔ فینٹم جیسے فلم میں ممبئی اٹیک کو پاکستان سے جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے تو اس جیسے پاکستان میں رونما ہونے والے بہت سے واقعات میں انڈیا کے بھی ملوث ہونے کے شواہد ملے ہیں تو ہمیں بھی ایسے فلمیں بنا کر ان کا منہ توڑ جواب دینا وقت کی ضرورت ہے۔ ایسے فلموں میں فحاشی بھی نہیں ہوتی اور فلم بین انٹرٹینمنٹ کے ساتھ ساتھ ایک پیغام بھی لے سکتے ہیں۔ اور حب الوطنی کا جذبہ بھی بیدار ہوتا ہے۔ لیکن ہماری تو حالت زار یہ ہے کی جب بھی اخبار پڑھنے بیٹھ جائے تو "بالی ووڈ سے خبر آتی ہے کہ ایشوریا رائے کو ہالی ووڈ فلمز میں جیمز بانڈ کے مد مقابل کاسٹ کیا جا رہا ہے"۔ "بالی ووڈ سے خبر اتی ہے کہ کترینہ کیف نے اپنا معاوضہ چار کروڑ تک بڑھا لیا"۔ "جیکی چن نے کئی منزل بلند عمارت سے سٹنٹ مین لیئے بغیر خود پر فارم کر دیا"۔ اور مقابلے میں ہمیں پاکستانی فلم انڈسٹری کی خبریں "میرا جی کی شادی، میرا جی کی انگلش کی خبروں میں دلچسپی لے رہا ہوتا ہے"، "ریما نے لیلیٰ کو کسی فنکشن

میں کہنی مار دی جس سے دونوں کے درمیان توتو میں میں شروع ہو گئی"۔ اور یہ خبر
پورے ایک ہفتہ تک خبروں کی زینت بنی رہتی ہے۔

مسلم فوبیا۔۔۔۔

یہ واقعہ امریکہ کے ایک شہر ٹیکساس کے ایک ہائی سکول میں پیش آتا ہے۔ چودہ سالہ بچے جہاں کرکٹ، ویڈیو گیمز، فٹ بال، ٹی وی کا شوقین ہوتا ہے، وہاں امریکہ کے شہر ٹیکساس کے اس ہائی سکول کے احمد محمد نامی چودہ سالہ لڑکا ایک دلچسپ و عجیب عادت لیئے بیٹھا ہے۔ وہ اس چھوٹی سی عمر میں گھر کے الیکٹرانکس سامان کی مرمت کرتا ہے اور مختلف گھڑیوں کو اکھٹا کر کے ان کے مختلف سرکٹ بنانے میں مصروف رہتا ہے۔ یہ ذہین و فطین لڑکا میڈیا کی نظروں میں تب آیا جب اس نے اپنی طرف سے ایک گھڑی بنائی اور اپنے ہمجولیوں کو حیرت میں مبتلا کر دیا۔ وہ خوشی خوشی امریکی استاد کو دکھانے کے لیئے چل دیتا ہے مگر یہ کیا امریکی استاد بجائے انعام کے اس ننھے منھے سائنسدان کو سزا کا مستحق قرار دیتا ہے۔ اور اسے تین دن کے لیئے " سسپینڈ " کیا جاتا ہے۔ اور استاد گھڑی کو بم قرار دیکر پولیس سے رابطہ کر لیتا ہے۔ یوں یہ خبر میڈیا کی زینت اختیار کر جاتا ہے۔ بعد میں حالات کلیئر ہونے پر اسے بری کیا جاتا ہے۔ اور امریکہ کے پہلے سیاہ فام صدر باراک اوبامہ کی طرف سے اسے واشنگٹن ڈی سی بلانے کی دعوت بھی آ جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ دوسری مشہور شخصیات کی طرف سے توصیفی کلمات بھی میڈیا پر آ جاتے ہیں۔ احمد محمد ایک امریکی مسلم اور گریڈ

نو کے طالب علم ہے، اس کے والد کا بنیادی تعلق سوڈان سے ہے جو وہ برسوں پہلے آ کر امریکہ میں مقیم ہوئے۔

گو کہ وایٹ ہاوس کی طرف سے اسے بری بھی کیا گیا اور وائٹ ہاوس اس لڑکے کی طرف دار نظر آئی جس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہے مگر سوچنے کی بات ہے کہ ایسا کیوں ہوا، ایک ننھے سائینسدان کو بجائے انعام کے سزا کا مستحق کیوں گردانا گیا۔ اسے شک کی نظر سے کیوں دکھا گیا، اسکی حوصلہ افزائی کیوں نی کی گئی، کیونکہ وہ ایک مسلم تھا اور ایک مسلم کو مانیٹر کرنا آج کل ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس کی ہر ایک نقل و حرکت پر نظر رکھی جاتی ہے اور انہیں دہشت گرد تصور کیا جاتا ہے۔ وہ جو بھی کام کریں، ان پہ شک کا پہلو لازم تصور کیا جاتا ہے۔ ائیر پورٹ پر ان کی کڑی نگرانی کی جاتی ہے، سخت ترین چیکنگ سے گزارا جاتا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کا تصور دہشت گرد بنایا گیا ہے۔ ہاں ہم اور اپ یہود کی سازش کہہ کر، امریکہ کو دو تین غلیظ گالیاں نکال کر، بھارت کو اسکا ساتھی قرار دے کر انگلی کے اشاروں سے امریکہ کو برا بھلا کر بھڑاس نکال دینگے اور بیچ میں میڈیا کو بھی بے لگام کہہ کر حقیئت بیان کرنے کی کوشش کرینگے مگر ایک اور ضروری امر کیطرف شاید سوچینگے بھی کہ نہیں۔

یہ واقعات پیش اتے رہینگے جب تک ہم اپنے شہریوں کو ان کے قید میں رکھنے دینگے اور ان کی رہائی کے لیئے کوئی جامع کوشش بھی نہیں کرینگے جس سے ایک تاثر ابھرے گا کہ یہ یتیم لوگ ہے ان کا کوئی پوچھنے والا ہی نہیں۔ ایسے واقعات کی وجہ ان کے بدمعاشوں ریمنڈ ڈیوسوں کو کھلے عام دہشت پھیلانے پر بھی ان کو بغیر سزا دیئے ان کے حوالے کر نا ہے جس سے تشخص ہمارا ہی خراب ہوتا ہے۔ جس سے یہ لوگ مزید تر احساس برتری میں مبتلا ہو جایئینگے احساس برتری میں مبتلا تو ہیں ہی ہمیں مزید کمتر شمار کرینگے۔ ہمیں ایسے واقعات سے پالا پڑتا رے گا، جب تک ہم ایک دوسری کی ٹانگ کھینچنے سے باز نہیں اتے، جب تک ہم ایک مسلم امہ نہیں بن جاتے، جب تک ایک بن کے دکھاتے نہیں۔ ہمیں ایسی ہی شک بھری نگاہوں سے دکھا جائے گا جب تک ہم ڈالر کے عوض اپنے ہی شہری بیچنا بند نہیں کرتے۔ یہ سارے کرتوت جو بھی اسلامی ملک کرے تشخص ایک مسلم کا ہی خراب ہو رہا ہے چاہے وہ پاکستان کا ہو، سعودی عرب، ایران، ترکی یا امریکہ کا ہی کیوں نہ ہو۔ مگر یاد رکھے مسلم امہ کے حکمرانوں اپ نے ہمیں بیچ بیچ کر اپنے لیئے بھی ائرپورٹس پر سکینر کے مراحل کھڑے کر دیئے۔ ایک مسلم ملک کا حکمران ہو کے بھی جوتے اتار کر چیک کیا جاتا ہے۔ جو ہمارے لیئے باعث شرم ہے۔

یہ مسلم فوبیا کیوں پھیل گیا۔ کیا اس کے ذمہ دار ہمارے یہ حکمران نہیں جو

ڈالر کے عوض ہمارا سودا کر چکے، جس سے ہمارا تشخص خراب ہو گیا۔ جب تک ہم ڈالر کے عوض بیچتے رہینگے، ایسے واقعات تھمنے کا نام نہیں لینگے اور مسلمانوں کے ہر ایک چیز کو شک کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ مسلمانوں کا تشخص مجروح ہوتا جائیگا کیوں کہ جس کی اپنی گھر میں قدر نہیں کی جاتی اسکی باقی دنیا کیا قدر کرے گی، اور ہم اپنے گھروں کے قدردانوں کے ٹھکرائے ہوئے ہیں۔ جس سے ایک عام مسلمان بھی متاثر ہو رہا ہے۔ اور شک بھری نظروں کا مرکز بن گیا ہے۔

دو تین اور ایسے اقدام کی ضرورت

جنرل اسمبلی کیا ہوتی ہے۔۔۔۔؟ کون کون سے ممالک اس میں شامل ہیں۔۔۔۔؟ یہ کیا کرتی اور کیا کر سکتی ہے۔۔۔۔؟ یہ تین بنیادی اور ضروری سوالات ہیں جو جنرل اسمبلی کا نام سن کر ذہن میں آ جاتے ہیں۔ جنرل اسمبلی اقوام متحدہ کا وہ حصہ ہے جو امن اور دوسرے مختلف سوالات اور حالات جو دنیا میں ہو رہے ان پر بحث کرتی ہے اور کوئی حل پاس کرواتی ہے۔ دنیا کے ایک سو ترانوے ممالک اسکے رکن ہیں۔ ہر سال اسکے سیشن ہوتے ہیں اور مسائل پر بحث ہوتی ہیں۔ حالیہ سیشن اسکا ستر واں سیشن تھا۔ پاکستان کی نمائندگی وزیر اعظم جناب نواز شریف نے کی۔ وزیر اعظم صاحب کے خطاب کے چیدہ چیدہ نکات یہ تھے۔

اس سیشن میں پاکستان کے علاوہ تمام عالم اسلام کے مشکلات پر بحث کی گئی۔

انڈیا کے سامنے چار نکات رکھ دیئے۔۔۔۔جو یقینا جنگی جنون میں مبتلا انڈیا کو حیرت میں ڈال دینے کے لیئے کافی ہونگے جس سے ہماری خارجہ پالیسی کی دور اندیشی ظاہر ہوتی ہے۔ انڈیا کے سامنے چار نکات رکھنے سے اور وزیر اعظم صاحب کے خطاب میں اس معاملے کو اٹھانے سے تمام دنیا پر پاکستان کا امیج واضح ہو چکا ہوگا کہ پاکستان ایک امن پسند ملک ہے جو بھارتی جارحیت

کا منہ تھوڑ جواب دے سکتا ہے مگر اسے خطے کا امن عزیز ہے۔
کشمیر سمیت لائن اف کنٹرول کی مسلسل خلاف ورزی پر بھی بات کی۔۔۔
افغانستان کے حالات پر بات کی۔۔۔ اور افغانستان کی بہتری اور مدد کے لیئے بھی کہا۔
ہمسائے ممالک پر بات کی۔۔۔
اور درپیش چیلنجیز پر بھی بات کی جس میں سرفہرست دہشت گردی سے نبرد ازما ہونا ہے۔

لیکن وزیر اعظم صاحب کا زیادہ تر فوکس انڈیا پر تھا اور اس حوالے سے زیادہ بات کی۔ اور اختیار کی گئی خاموشی کو ایک اچھے اور بہترین جگہ پر تھوڑ دی۔ جس واقعی انڈین جل تھل گئے ہونگے۔۔۔

دیکھا جائے تو وزیر اعظم صاحب کی تقریر کو جامع کہا جا سکتا ہے۔ درپیش مسائل پر، رونما ہونے والے واقعات پر اچھی طریقے سے روشنی ڈالی گئی ہیں اور اچھے انداز میں پیش گیا ہے۔ جتنے بھی اہم ایشوز تھے، وزیر اعظم صاحب کی تقریر میں تقریبا ان تمام کو بیان کیا گیا ہے۔

وزیر اعظم صاحب کے خطاب کو مارننگ سیشن میں رکھا گیا تھا۔ اس سے تین چار دہائی پہلے پاکستان کے ہر دلعزیز رہنما ذولفقار علی بھٹو نے انتہائی جذبات بھرے لمحات میں اقوام متحدہ کے کاغذات پھاڑ ڈالے تھے اور وہاں سے بائکا

ٹ کا اعلان کرکے روانہ ہوئے تھے۔ جو بعد میں بیرونی دنیا کے لیئے خطرناک مسلم رہنما کی صورت میں نظر ارہے تھے۔ جناب وزیر اعظم صاحب آج ہم نے جو بیرونی دنیا سے ناطہ تھورنے کا جو بے جا خوف اپنے اوپر مسلط کیا ہے یہ دراصل کچھ بھی نہیں، پاکستان عظیین طاقت سے مالا مال ہے بس ایک دفعہ آنکھیں دکھانے کی ضرورت ہے، ہم ڈو مور کرتے کرتے خود پھنس گئے۔ اگر اسی طرح جراتمندانہ قدم دو تین اور مواقع پر اٹھا لیئے جائے جیسا کہ حبزل اسمبلی میں ہوا تو یقینا ہم دنیا کی خارجہ پالیسی کو کسی حد تک اپنے بارے میں مثبت رخ پر تبدیل کرلیں گے۔ جناب وزیر اعظم ہم قربانیاں دیتے دیتے بھی تھک گئے، ہم غیروں کے لیئے بھی لڑے، مگر نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا تو اب وقت آگیا ہے ہم بھی جرات کا مظاہرہ کریں اور دنیا عالم کی اس بارے بے حسی کو منہ تھوڑ جواب دے کر اپنی بے حسی کی عالم سے بھی نکلے۔

پاکستان میں پیدا ہونا، پاکستان جیسی سرزمین کے مالک ہونا ہم پر اللہ تعالی کا عظیم احسان ہے۔ ہم وسائل سے مالا مال ملک ہے۔ ہمارے تمام مسائل کا حل اسی سرزمین میں ممکن ہو سکتا ہے۔ ہم انرجی کرائسس کا شکار ہے تو ہم دنیا کے اس خطے میں واقع ہے جو سورج کی روشنی سے زیادہ استفادہ کر سکتا ہے ہم سورج کی روشنی سے کسی حد تک اپنی اس انرجی بحران کو کم کر سکتے ہیں، ہم کوئلے سے بھی کام چلا سکتے ہیں۔ انگریز جو کہ سارا سال بارش میں بھیگتے

رہتے ہیں اور سنی ڈے کا انتظار کرتے ہیں یہاں ہمیں سال کے چار موسم ملتے ہیں۔ جس سے ہم قدرتی طور پر ان کے مطابق فصلیں اگاتے ہیں اور میوے کھاتے ہیں۔ آج اگر ہمیں واقعی ضرورت ہے تو ایک دلیر، بہادر اور سچے لیڈر کی جو کسی کی پرواہ نہ کرکے، کسی کو خاطر میں نہ لاکے دستیاب وسائل کو استعمال کرکے پاکستان کو دنیا کی ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑا کرے۔ می اپ ذرا دور اندیشی سے سوچیں دنیا ہماری محتاج ہو سکتی ہیں۔ ہم وسائل سے مالا مال اور دنیا کے پاس وسائل ختم ہو رہے ہیں۔ جناب نو ز شریف کی اس حوصلے کی داد دیتا ہو جو اپنا موقف بڑے اچھے اور واضح الفاظ میں پیش کیا اور حالات کی باریکی کا جائزہ لیتے ہوئے اپنا خطاب حالات کے مطابق دیا۔ جناب نواز شریف اپ اگر تھوڑا سا اور بھی دلیری کا مقابلہ کرے اور دور اندیشی کا مظاہرہ کرے، قرضے لینے کے بجائے اپ اور اپکے ساتھی اپنا سرمایہ ہی واپس اس ملک کے لیئے لائے تو اس ملک کے عوام کے لیئے اپ بھی عمران خان ہو سکتے ہیں۔ دنیا اپ کی محتاج ہو سکتی ہے بس دو تین ایسے جرات مندانہ اقدام کی ضرورت ہے۔

چھینک ۔۔۔۔

اگر کوئی اپ سے مخاطب ہے اور مزے سے ، سر میں گپ لگا رہا ہے ، اچانک اسکی حالت میں تبدیلی آ جاتی ہے اور اسکی ناک کی نتھنے کھولنے کو ہوتے ہوئے اوپر کی طرف زور کر رہی ہو، منہ کھلتا ہوا اور آنکھیں بند ہونے والی ہو، بھنویں اوپر نیچے کو ہو رہی ہو، تو اسکا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ وہ اپنی بات میں وزن بڑھا کر اپ کو ہنسانے کی کوشش کر رہا ہے ، یا اسے اپکی کو حرکت ایسی لگی کہ وہ اپنی ہنسی پر کنٹرول پانے کی ناکام کوشش کر رہا ہے یا وہ جان بوجھ کر اپ کی کسی حرکت پر ہنسنے کی کوشش کر رہا ہے، یہ چھینک آنے کی علامات ہیں ، اگر اپکو اللہ تعالیٰ نے یا اچھی یا داشت سے نوازا ہو ، تو اپکو اپنی چھینک والی کیفیت اچھی طرح یاد ہو گی اور اگر اپ ایک نارمل انسان ہے تو اپکو زندگی میں ضرور چھینک آنے سے واسطہ پڑا ہو گا۔۔۔نارمل انسان کو زندگی میں ضرور چھینک سے واسطہ پڑتا ہے ، چھینک آنا بذات خود کوئی بیماری نہیں بلکہ ڈاکٹر حضرات اسے ایک صحت مندانہ سرگرمی قرار دیتے ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چھینک کیوں آتی ہے جو ہمارا اچھا بھلا حلیہ بگاڑ کر چلی جاتی ہے۔ تو سنیئے چھینک تب آتی ہے جب ہماری جسم میں کوئی مضر خوردبینی جاندار، یا کوئی اور ناپسندیدہ شئے ناک کے ذریعے

جسم میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو باہر نکالنا ضروری سمجھ کر اسے منہ تھوڑ جواب دینے کے لیئے دماغ، اعصابی نظام کو متحرک کرکے اس باہر نکالنا چاہتا ہے تو چھینک کا عمل شروع ہو جاتا ہے، جس سے ہمارا جسم محفوظ رہ جاتا ہے۔۔۔۔۔

اگر ایک وقت زیادہ چھینک آ رہی ہو تو یہ الرجی ہو سکتی ہے جس کے لیئے ڈاکٹر سے مشورہ کرنا چاہیئے۔

چھینک زیادہ تر زکام کی حالت میں بھی اتی ہے بعض حضرات کو الرجی کی وجہ سے بھی چھینک کی شکایت ہو جاتی ہے۔ جو دن میں یا ایک وقت میں کئی کئی بار چھیکنتے رہتے ہیں۔۔۔ ایسے ہی میں انگلستان کے شہر وورکیسٹر شائیر کی ڈونا گرفتھ نامی خاتون ایک دن میں پورے نو سو اٹھتر (978) مرتبہ چھینک گئی۔ وہ بے چاری چھینکتی رہی اس کے ساتھ دلی ہمدردی ہے مگر وہ نو سو اٹھتر مرتبہ چھینک گئی یہ ریکارڈ کرنے والے " رحمل ماہر شماریات " کو داد دینی پڑی گی۔ جو اسکے ساتھ اسکے چھینک شمار کرنے کے لیئے پورا دن گزار گیا اور ایک ایک چھینک کو شمار کرنے کے لیئے بے صبری سے انتظار کرتا رہا۔ یا ایسا بھی ہو سکتا ہے ڈونا گرفتھ خود شمار کر گئی ہو مگر پھر اس کا کوئی یقین کیوں کرتا۔ اس کا ساتھ ضرور کوئی " مائی کا لعل " ہی ہوگا جو وہ چھینک پہ چھینک

شمار کرتا رہا اور اسے ریکارڈ کرتا رہا۔

چھینک کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے۔ ارم چیئیر میڈیکل سائنس کے مطابق چھینک سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے نکلتی ہے۔ اور اس سے نکلنا والا مواد تیس فٹ تک تک جا سکتا ہے۔ یعنی اپ کہہ سکتے ہے دنیا کرکٹ کے تیز ترین باولر شعیب اختر کی اب تک کی تیز ترین گیند ایک چھینک کے رفتار کے برابر تھی۔۔۔۔

چھینک کا عمل ایک دباؤ والا عمل ہے جو پھیپھڑوں سے شروع ہو کر جس سے سینہ پر دباؤ پڑ جاتا ہے، زبان منہ کی اوپری سطح کو چھو جاتی ہے، دباؤ پیدا ہو کر سانس کے ذریعے مضر یا نا پسندیدہ مواد کو باہر نکال دیا جاتا ہے اور چھینک کا عمل مکمل ہو پاتا ہے۔ ایک ریسرچ کے مطابق تقریبا ایک لاکھ خوردبینی جاندار ایک چھینک کے ذریعے باہر کو نکال دیئے جاتے جاتے ہیں۔ اس لیئے چھینک مارے وقت منہ کے آگے ہاتھ رکھنے چاہیئے تاکہ مضر اثرات سے سامنے بیٹھے لوگ متاثر نہ ہو۔

تبھی تو ہمارے دین عظیم نے ہمیں سکھایا ہے کہ جب کوئی مسلمان چھینکے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرے، یعنی الحمد للہ کہے اور کوئی سنے تو جواب میں اپنے بھائی کے لیئے اللہ کا رحم مانگے، اور چھینک والا بندہ اپنے بھائی کے لیئے

جزا خیر مانگے۔۔۔۔ کیونکہ بجا طور پر یہ ایک شکر ادا کرنے والا عمل ہے جو اللہ تعالی نے ہمیں عطا کیا ہے۔ ایک چھینک جسے ہم معمولی جان کر نظر انداز کر دیتے ہیں، اس میں اللہ تعالی کی کتنی حکمت پوشیدہ ہے۔ اس لیئے ہمیں ہر حال میں اللہ تعالی کا شکر بجا لانا چاہیئے۔ جس کی ہم پر اس جیسی کئی عظیم احسانات ہیں، جس پر ایک ایک کرکے وقتا فوقتا بات ہوتی رہیگی۔ انشاء اللہ۔

انا "اور "صرف ایک فتح" کی جنگ NA-122"

ہمیشہ سے پاکستان اور انڈیا کا میچ چاہے وہ کسی بھی فارمیٹ میں ہو توجہ کا مرکز رہا ہے۔ دنیا کھیل کے شیدائی لوگ پاکستان اور انڈیا کے مابین میچ کا شدت سے انتظار کرتے ہیں اور وقت سے پہلے ہی ٹکٹ تقسیم ہو جاتے ہیں۔ جوں جوں میچ قریب ہوتا جاتا ہے انتظار کی گھڑیاں بھی بے قابو ہوتی جاتی ہیں۔ کیونکہ مقابلہ بہت کانٹے دار دیکھنے کو ملتا ہے۔ شائقین میچ کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتے، کچھ ایسی ہی صورتحال پاکستان کے اندر کچھ دنوں پہلے بنی ہوئی تھی، لوگوں کا اشتیاق حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا، انتظار بھی تھا، NA-122 لاہور سے دو ہزار تیراہ کے انتخابات میں ایاز صادق جیتے اور سپیکر قومی اسمبلی کے عہدے سے نوازے گئے، بعد میں عمران خان نے جناب سپیکر ایاز صادق کے صداقت پر شک کرتے ہوئے دھاندلی کی درخواست دی جو منظور ہوئی اور ایاز صادق صاحب چھ، سات ہفتے پہلے اپنی بڑی شان والی، کرسی سے ہٹا کر معزول کر دیئے گئے، اور ری الیکشن کا حکم ہوا۔ صورتحال بالکل پاکستان اور انڈیا کے میچ جیسی ہی تھی، پی ٹی ائی کے شیدائی صبح اٹھ بجے سے ٹی وی کے سامنے بیٹھے گئے اور تقریبا چودہ گھنٹے بیٹھے رہے، شام اٹھ بجے نتائج دیکھ کر ایک ایک کرکے ایسے اٹھنے لگے جیسے چھ اوورز میں

ستر رنز درکار ہو اور آفریدی ایک آسمان کو چھوتا ہو شاٹ مار کر بونڈری پر کیچ اوٹ ہو اور دوسری طرف نان سٹرائک اینڈ پر مسٹر ٹک ٹک مصباح الحق کھڑے ہو۔ پی ٹی ئی کے سپورٹر ایسی ہی نا امیدی کی صورتحال میں مایوس لوٹنے لگے۔

کی صورتحال ٹٹولنے کے لیئے ہمیں 13 سال پیچھے جانا ہوگا۔ اور آخری NA-122 ایک طرح سے NA-122 مرتبہ کئے گئے تین الیکشن کی صورتحال کا جائزہ لیتے ہیں۔ یاز صادق تین مرتبہ مسلسل جیت چکا ہے۔ NA-122 ایاز صادق کا گھر ہے جس سے جسے کرکٹ کی زبان میں ہیٹ ٹرک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

الیکشن 2002 میں ایاز صادق صاحب کو پڑ ھنے والے وٹ کی تعداد تقریبا 38000 تھی۔۔۔۔ اور اس کے مقابلے میں پی ٹی اے کے عمران خان صاحب کو 19000 ووٹ پڑے۔

کی کمان دوبارہ ایاز صادق کی ہاتھ میں تھما دی NA-122 الیکشن 2008 گئی۔۔۔ الیکش دو ہزار اٹھ میں ایاز صادق ن لیگ سے لڑے 79000 لیکر واضح ترین مارجن سے کامیاب ہوئے۔ اسکے مقابلے میں پی پی پی کے امیدوار میاں عمر مصباح الرحمان تھے جس کے حق میں صرف چوبیس ہزار ووٹ ہی پڑے۔

الیکشن 2013 میں جیت کر مسلسل تین بار جیت گئے۔۔۔ایاز صادق صاحب کو پڑنے والے ووٹ کی تعداد93000ہزار تھی اسکے مقابلے میں پی ٹی ائی کے چئیر میں عمران خان تھے جسے 84000ہزار ووٹ پڑے۔

الیکشن دو ہزار تیراہ کے نتائج پر عمران کان صاحب نے ایاز صادق کی صداقت پر شک کرتے ہوئے سپریم کورٹ سے رجوع کیا اور سپریم کورٹ نے دوبارہ الیکشن کا حکم دیا۔ 11 اکتوبر کو سخت ترین مقابلہ ہوا اور ایاز صادق صاحب بہت ہی کم مارجن سے فتح یاب ہوئے۔ اور 2000 ووٹ سے جیت گئے۔

ایک ایسا شخص جو اپنے حلقے سے مسلسل تین مرتبہ جیت رہا ہوں اور بہت واضح مارجن سے جیت کو گلے لگا رہا ہو۔ اس دوران اس کا اس حالت میں نہایت ہی کم مارجن سے جیتنا جیت نہیں کہلایا جا سکتا۔ جیت ایاز صادق صاحب کی پکی تھی مگر اتنی کم اور ، تھوڑی مارجن کے ساتھ نہیں۔ کم از کم اسے پندرہ ہزار ووٹ سے جیتنا ضروری تھا ری الیکشن مسلم لیگ ن کے لیئے انا کا مسئلہ تھا کیونکی ایک چنا گیا سپیکر کی جو اسمبلی کی بولتی بند کرا سکتا ہے الیکشن کمیشن نے اسکی بولتی بند

پی ٹی NA-122 کرکے اسے کرسی ہٹا دیا گیا تھا۔ اور تا حال یہ کرسی خالی ہی تھی۔۔۔ ائی کے لیئیے صرف ایک فتح کی حیثیت رکھتی تھی۔ جیت اور ہار سے ان پر کوئی فرق نہیں پڑنا تھا۔ بہر حال کپتان کا کھیلاڑی بہت ہی اچھا کھیلا۔ جیت جس کی بھی ہو اب ہمیں منظور ہے، کیونکہ ایک شفاف طریقے سے چنا و ہو گیا۔ جناب سپیکر کرسی اپ کی منتظر ہے۔ جس کا سارا کریڈٹ بلا شبہ عمران خان صاحب کو جاتا ہے جس نے تا ریخ بدل ڈالی۔ باقی فتح اور شکست تو ایک کو ہونی ہی تھی، لیکن مجھے افسوس ہے کہ ہم سسٹم میں 122 کے بھائیوں-NA چینج کے راہ میں کیوں رکاوٹ بن رہے ہیں۔ جب ہمارے ب کو پنے مسائل سے ایک مرتبہ پھر چھٹکارے پانے کا موقع تھا تو دوبارہ اس امیدوار کو لے ائے جس کی حکومت میں دو ماہ پہلے گدھے کی گوشت کی فروخت کی خبریں آرہی تھی، بلکہ کھلائی بھی گئی تھی۔ جب گدھے کے گوشت سے جان چھوڑانے کا وقت آگیا تھا تو ایسے میں پھر وہی امیدوار۔۔۔؟؟؟؟؟شاید گدھے کے گوشت میں کچھ مٹھاس تو ہو گی جبھی تو دوبارہ اعتماد کیا گیا ہے۔

کہانی کمپیوٹر کی۔۔۔۔

چارلس بباگے۔۔۔۔ یہ نام شاید، شریفوں اور خانوں، چوہدریوں اور ملکوں والے ناموں کے عادی، ہمارے لیئے عجیب سا لگے مگر ہمارے لیئے اس عجیب نامی شخص کی اسکی وہ کوشش جس نے آگے چل کر دنیا بدل ڈالی کو کسی صورت عیب بھری نظروں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔۔۔۔ چارلس بباگے ایک انجینئر، ایک ریاضی دان تھا اور ایک موجد تھا جس نے 1812 میں کمپوٹر بنانے کا سوچا اور 1822 میں دس سال کی انتھک محنت اور لگن سے کمپوٹر کا کانسپٹ دیا اور کمپوٹر کا باپ کہلایا۔ جسے تاریخ میں کمپیوٹر کا باپ کہا جاتا ہے۔ جس نے دس سال کی شبانہ روز محنت سے اپنی سوچ کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اور اس زمانے کا ایک سادہ سا کمپوٹر بنا ڈالا۔ شائد اس ماڈرن دور کا نوجوان اس خبط میں مبتلا ہو کر "کنفیڈنٹ انداز" سے سوچے کہ کمپوٹر کا لفظ اس ماڈرن دور کا لفظ ہے مگر کمپوٹر کا لفظ آج سے ٹھیک چار سو سال پرانا لفظ ہے۔ جسے پہلی بار 1615 میں ایک کتاب میں استعمال کیا گیا تھا۔ ہم زیادہ تفصیل میں تو نہیں جا سکینگے مگر اس سے ہم کم از کم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ انسان ہمیشہ سے اس کوشش میں مبتلا رہا ہے کہ اپنے کام کو اسان سے اسان تر کیا جائے اور اس کوشش میں لگے رہنے کے لیئے اور اپنے کام کو اسان بنانے کے لیئے مختلف ایجادات کرتا

رہا۔ کمپوٹر بھی اس مقصد کے لیئے ایجاد ہوا ہے، جس کی بغیر آج کل ماڈرن دنیا کا تصور محال ہے۔

کہنے کو بہت سے اشیاے کمپیوٹر کے زمرے میں اتے ہیں جیسے کہ کیلکولیٹر، موبائیل، پٹرول پمپ پر لگا میٹر۔۔۔ مگر ہم جس کمپوٹر کی بات کر رہے ہے جس سے ہم اور اپ فائدہ اٹھا رہے ہیں اسے "ماڈرن کمپوٹر" کہا جاتا ہے اور اس ماڈرن کمپوٹر کے موجد کا نام "کونارڈزوسے" ہے۔ جسے 1936-38 کے عرصے میں بنایا گیا، اور ایک عام آدمی کے لیئے اس ماڈرن کمپوٹر کا استعمال 1970 کے عشرے کے اوخر میں جاری ہوا جہاں 1977 میں پہلا کمپوٹر مارکیٹ کو لایا گیا اور اور تین سال کے عرصے میں عام ہو گیا۔ ہم اور آپ جو کمپوٹر استعمال کرتے چلے آرہے ہیں اسے "ہوم کمپوٹر "کے نام سے جانا جاتا ہے۔۔۔۔

اور COMPUTER دیکھا جائے تو کمپوٹر کا لفظ کمپوٹر انگریزی کے مخفف الفاظ کا مجموعہ ہے "Common مخفف الفاظ وہ ہوتے ہے جس کے ہر لفظ کے معنی ہوتے ہیں

Operating Machine Particularly Used for Technology

Enetrtainment and Research"، تو کمپوٹر کے معنی ہوا ''ہ و مشین جو خاص طور ٹیکنالوجی، تفریح اور تحقیق کے لیئے استعمال ہو" ۔ کمپوٹر کو بہت سے مقاصد کے لیئے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ بڑے بڑے ریسرچ کے ادارے

جیسے کہ ناسا، جو کمپوٹر استعمال کرتی ہے انہیں سپر کمپوٹر کا نام دیا گیا ہے۔ جن کی کام کر نے کی سپیڈ کئی لاکھ گنا تیز ہوتی ہے پاکستان میں سپر کمپوٹر نسٹ اور اٹامیک انرجی جیسے اداروں میں استعمال میں لایا جاتا ہے۔ جو کہ موسمیاتی حالات، زلزلے کے بارے میں اگاہ کرتے ہیں، اور جوہری ہتھیاروں کی ٹیسٹنگ کے لیئے بھی استعمال میں لائے جا تے ہیں۔ مین فریم کمپوٹر وہ کمپوٹر ہوتے ہیں۔ جو بڑے بڑے اداروں میں کام اتے ہیں ان کی گنجایش کی صلاحیت بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس کی سپیڈ بنسبت سپر کمپوٹر کے سست ہوتی ہے۔ مینی کمپوٹر وہ ہوتے ہیں جو ایک ادارے میں استعمال میں لائے جاتے ہیں مگر دفتری کام کے لیئے اس کا ستعمال سب کی پہنچ میں ہوتا ہے۔ جو کمپوٹر ایک عام شخص استعمال کرتے ہیں انہیں مایکرو کمپوٹر کا نام دیا دیا گیا ہے۔ چاہے اسکا مقصد فلمیں دیکھنا ہو یا گیم کھیلنا، جو بھی ہو۔

وقت کے ساتھ ساتھ کمپوٹر نے اور بھی ترقی کی۔ اور اسکی دلچسپی کی خاطر اسمیں تخریفات ہوتی رہی اور کہانی لیپ ٹاپ کی پیدایش تک آ گئی۔ پہلا لیپ ٹاپ انیس سو اکیاسی میں منظر عام پر ایا۔ یہ پہلا لیپ ٹاپ تیئس پونڈ وزنی تھا اور شکل سے بھی کافی پہلوان ٹائپ تھا۔۔۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں جدت اتی گئی۔ اور عام ہوتا گیا۔ سلیم اور سٹائلش دنیا کے حساب سے لیپ ٹاپ

بھی سلم اور سٹائلش ہوتا گیا۔۔۔

دو تین عشرے پہلے کمپوٹر کو بہت متبرک چیز مانا جاتا تھا، جسے صرف دفتری چیز کی حیثیت حاصل تھی اور جس دفتر میں کمپوٹر ہو اس دفتر کی ان بان شان بھی بڑھ جاتی تھی۔ اور دفتر انے والے ملاقاتی کن اکھیوں سے اسے ضرور دیکھتے، بعض تو چھو جانے کی خواہش بھی رکھتے۔۔۔۔ گھروں میں تو کمپوٹر کا تصور بھی نہیں تھا۔ جس گھر میں کمپوٹر ہوتا لوگ اس گھر کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے اور گھر کے جس کمرے میں کمپوٹر پڑھا رہتا اس کمرے کی خصوصی نگرانی کیجاتی۔ چھوٹے بچے جو اشتیاق سے کمپوٹر دیکھنے کے خواہ ہوتے ان کا تو اس کمرے سے گزرنا بھی محال تھا۔ جیسے ہی اس کمرے کے نزدیک کسی چھوٹے بچے کو دیکھا، گھر کے ایک کونے سے کسی فرد کی اواز ضرور سنائی دیتی۔ "اوئے اوئے ٹھہرو تم۔۔۔ کیا کر رہے ہو یہاں"۔۔۔ بچہ بھی مارے ڈر اور کمپوٹر کے رعب سے بھاگ کھڑا ہوتا۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ کمپوٹر کی اہمیت تو بڑھ گئی مگر اسکی قدر بہت کم ہوئی، کیونکہ جس چیز کی بہتات زیادہ ہو جائے اس کی اہمیت کم ہو ہی جاتی ہے۔ ہم کمپوٹر کے ساتھ بہت ذلیل حرکت بھی کر رہے ہیں۔ ہم اس کا وہ استعمال بہت کم کر رہے ہیں جس کے لیئے یہ بنایا گیا تھا۔ ہمیں اللہ تعالی کی دی ہوئی اس نعمت کا جتنا ہو سکیں مثبت استعمال کرنا چاہیئے

ہندوستانی لڑکی "گیتا" سے سوال

تئیس سالہ گیتا آج سے پندرہ سولہ سال پہلے لاہور کے سمجھوتہ ایکسپریس کے ریل گاڑی میں اکیلی پائی گئی جب اس کی عمر محض سات سال تھی، جہاں اسے لاوارث کی حیثیت لاہور کے ایک چلڈرن ہاوس میں رکھا جاتا ہے۔ بعد میں ایدھی فاونڈیشن کی بلقیس ایدھی صاحبہ اسے اپنی پناہ میں لیتی ہے۔ سماعت و گویائی سے محروم اس انجانی لڑکی کا نام فاطمہ رکھا جاتا ہے۔ اور پورے پندرہ سال پاکستان میں گزار دیتی ہیں۔

بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ گیتا کا آبائی وطن پاکستان نہیں، وہ غیروں کے بیچ پندرہ سال گزار گئی اور اس کا آبائی وطن ہندوستان ہے۔ اور اس نے اپنے والدین کو شناخت بھی کر لیا ہے۔ اور چند دن پہلے وہ اپنے آبائی وطن ہندوستان پہنچ گئی۔

یہ کسی فلم کا سین نہیں حالانکہ اس جیسی بہت سی فلمیں بنائی گئی مگر گیتا کی اصلی زندگی میں فلمی کہانی آ گئی۔ حالیہ ریلیز ہونے والی ہندوستانی فلم "بجرنگی بھائی جان" میں بھی اس جیسی ہی سٹوری بتائی گئی تھی۔ جس میں گویائی سے محروم ایک چھوٹی سی بچی ھندوستاں سے اپنے ملک پاکستان پہنچا دی گئی تھی۔ مگر فلموں میں دکھائی دی جانے والی کہانی گیتا کی کی

زندگی میں حقیقت کا روپ دھار گئی۔

ہماری بیچ پندرہ سال گزارنے والی ہماری مہمان بھولی بسری گیتا ! ! ! ! ! اپ نے ان پندرہ سالوں میں ہمارے ہاں سے بہت کچھ سیکھا ہوگا۔ اپ ہمارے پاکستان کے سویرے سے بھی مانوس ہوئی ہونگی اور دل کو اداس کرنیوالی شام بھی دیکھی ہوگی۔ ہماری ہولیں کیسی ہے، ہمارے موسم کیسے ہیں، ہمارے لوگ ہمارا کلچر، ہمارا تہذیب و تمدن کیسا ہے۔۔۔ اپ بول نہ سکی مگر لوگوں کا پیار تو محسوس کیا ہوگا۔ گیتا ! اپ اپنے ملک جا کر وہاں بھی ایسا ہی سویرا پاؤ گی۔ وہاں بھی ایسی ہی شام پاؤ گی۔ موسموں میں بھی تمہیں کوئی تضاد نہیں ملے گا۔

تم اپنے ملک جاوگی تو وہاں پر سوچنا کہ جب شامیں بھی ایسی ہی ہے، سویرے بھی ایک جیسے تو فرق کیا ہے پھر۔۔ تم ویسی ہی کوئل کی رنگت ویسی ہی پاوں گی جیسا کہ میرے دیس میں اس کا رنگ ہے۔ تم لوگوں کی ظاہری چال ڈھال بھی ویسا ہی پاوں گی۔ مگر ان کے اندر زمین اور آسمان کا فرق دیکھوں گی۔ گیتا تم جا کر پھر خود فیصلہ کر لینا کون سا دیس بہتر ہے اور میرے دیس جیسا تیرا دیس کیوں نہیں۔۔۔؟؟؟؟۔ گیتا میرا ملک ایک بھولی بسری گیتا کو با حفاظت اپنے ملک کے حوالے کرتا ہے لیکن تیرا ملک میرے ملک کے اپ جیسے چار سو

قیدیوں کو قید کرکے رکھ دیتا ہے۔ کیا گیتا میرے دیس جیسا تمہارا دیس ہے۔۔۔۔؟
؟؟؟ میرے دیس جیسا تمہارا دیس کیوں نہیں۔۔۔؟؟؟؟
گیتا تمہیں نہ چاہ کر بھی ہار ماننی پڑی گی۔ دنیا بھی دیکھ رہی ہے۔ میرا دیس تمہارے دیس سے کیسا پیش آ رہا ہے اور تمہارے دیس میں میرے مسلم بھائی کس گھٹن حال میں جی رہے ہیں۔ گیتا جب ہمیں پتہ چلا کہ تم مسلمان نہیں ہندو ہو تو ہم نے تمہارا فاطمہ نام ہی رکھنے پر اصرار بھی بھی نہیں کیا۔ کیونکہ میرا ملک اس عظیم دین کے ماننے والے جس میں کسی پر زبردستی نہیں کیجا سکتی۔ تو کیا تمہاری راہ میں کوئی طالب حائل ہوا۔ یا تمہاری راہ میں کوئی حافظ سعید روڑے اٹکا گیا؟ جبکہ تمہارے دیس میں آئے روز شیو سینا نامی انتہا پسند اور دہشت گرد تنظیم مسلمانوں کو جینے نہیں دے رہی، تمہارے دیس میں تمہارے ہی دیس کا نام اونچا کرنے والے مسلمانوں کو بھی جینے نہیں دے رہا۔ بھلا تمہارا دیس میرے دیس جیسا ہو سکتا ہے؟؟؟؟ جہاں پہ یہاں تمام مذاہب کے ماننے والوں کو اپنے عقیدہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کی اجازت ہے اور ضرورت پڑنے پر ملک کی بھاگ ڈور بھی حوالے کی۔ اور کبھی کسی غیر مسلم کو یہ نہیں کہا کہ ہندوستان چلے جاو یہ تمہارا ملک نہیں۔
گیتا تمہیں کھیتوں میں کام کرنے والے ماسی بھی ویسی ہی ملے گی جو یہاں پر

کھیتوں میں ہل چلاتے گھر والوں کے لیئے سر پر لسی کا گھڑا لیئے ہاتھ میں روٹی لیئے جا رہی ہو۔ تمہیں وہاں ویسے ہی کھیل ملیں گے جیسے یہاں پر کھیلے جاتے ہیں۔ تمہیں اپنے ہندوستان میں کھانے بھی ویسے ہی ملیں گے جہاں یہاں پر مرچ مصالحے دار، چٹنی پتی ملتی تھی، تمہارے کھیت سے پرندوں کو بھگانے، ڈرانے کے لیئے ویسا ہی کپڑوں سے بنا پتلا کھڑا پاؤں گی جہاں یہاں پر ہوتا ہے۔

گیتا تم سوچ میں پڑھ جاؤں گی کی پھر جدا ہونے کے وجہ کیا تھے، ہم ایک کیوں نہ رہ سکے ۔۔۔؟؟؟ گیتا تم اپنے دیس جا کر مسلمانوں کے حالات معلوم کرو، پھر جا کر اپنے جیسے لوگوں کو تلاش کرو، پاکستانی قیدیوں کو تلاش کرو۔ تمہیں سب سوالوں کے جواب مل جائینگے۔

کیونکہ ہمارے اگر شام سویرے، موسم، لوگوں کی رنگت ایک جیسے ہے مگر ہمارے دل بہت مختلف ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ ہم الگ ہو گئے۔ اور آج تیرے دیس والے یہ بات ثابت بھی کر رہے ہیں۔ اور تمہیں ہار بھی ماننی پڑی گی کہ واقعی تیرا دیس میرے دیس سے بہتر ہے۔ تمہارے دیس کے لوگ پھر میرے دیس کے لوگوں جیسے کیوں نہیں۔۔۔۔؟؟؟؟؟

ترکی اور پاکستان لیڈر شپ۔۔۔ پچھلے پندرہ سال

دونوں اسلامی دنیا کے مقبول لیڈرز ہیں۔ اپنی عمر کے ساٹھ کا ہندسہ عبور کر چکے ہیں۔ دونوں کا سیاسی کلینڈر اپس اینڈ ڈاؤن کا شکار رہا۔ دونوں کا سیاسی کیئیر ئر فوجی مداخلت سے اثر انداز ہوا۔ دونوں کو اپنے عوام سے تیسری بار اعتماد کا ووٹ ملا ہے۔ دونوں کی تعلیمی قابلیت بھی گریجویشن ہیں۔ دونوں کا تعلق اسلامی ملکوں سے ہیں۔

پہلے ہم ترکی سے تعلق رکھنے والے ترک قوم کے سربراہ کا ذکر کرتے ہیں۔

وہ ترکی کے پچیسویں وزیر اعظم بنے۔ سال دو ہزار تیراہ ایک جائزے کے حوالے سے دنیا کے ٹاپ ٹین پولیٹیکل پرسنلیٹز میں چھٹا نمبر طیب اردگان کا ہے۔ اقتدار سے پہلے وہ چار سال تک ترکی کے سب سے اہم صوبے کے میئر رہے۔ حکومت کیخلاف آواز اٹھانے پر دس ماہ کی جیل بھی کاٹی اور جیل سے رہائی کے بعد دو ہزار ایک میں جسٹس اینڈ ڈیلوپمنٹ کے نام سے ایک سیاسی پارٹی بنائی۔ جس نے صرف ایک سال کی قلیل مدت میں شہرت پائی اور ملک کی سب سے مشہور پارٹی قرار پائی۔ اور اا ئندہ سال انتخابات بھی جیت لیئے۔ سال دو ہزار چاراوردو

ہزار دس میں وہ دنیا کے سو متاثر کن شخصیات میں سے ایک تھے۔ اس نے اپنی قوم کو نشے کی لت سے نجات دلوائی اور ورلڈ ہیلتھ ارگنائزیشن سے ایوارڈ لیئے۔ پچھلے پندرہ برس سے جسٹس اینڈ ڈیلوپمنٹ پارٹی برسر اقتدار آ رہی ہے۔

طیب اردگان سے پہلے ملک ترکی کا معاشی لحاظ سے برا حال تھا۔ ترکی معاشی بحران سے دو چار تھا۔ ترکی کا پیسہ نہایت حد تک گر گیا تھا۔ جناب اردگان نے اقتدار سنبھالتے ہوئے اپنے ملک کو معاشی بحران سے نکالا۔ اور واقعی اپنے نام کا اثر با معنی ثابت کیا، اردگان ترکی میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جو بہادر پیدا ہوا ہو، اور اردگان نے اپنے قوم کو بحران سے نکالا، اپنے ملک کو بحران سے نکالنا واقعی بہادروں ہی کا کام ہے۔ طیب اردگان کی ایک پالیسی جو اسکی کامیابی کی میں وجہ سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس نے اپنے لوئر مڈل طبقے کو مڈل کلاس میں بدل ڈالا۔۔۔ اور جس شخص کی زندگی اپکی وجہ سے چینج ہو۔ وہ کیوں نہ اپکے گن گائے، وہ کیوں نے اپکو بار بار ووٹ دیکر ایوانوں میں بھیجے۔ طیب اردگان کو مواشی طور پر بحران زدہ ملک ملا تھا اس وقت ترکی کی لیبیرز روپے) ڈالر کے مقابلے میں سات سو لیئرز تھی، اب کی صورتحال تین لیئرز، ڈالر) تک پہنچ چکی ہیں۔ ترکی سیکولر سے اسلامی ٹائپ ہوتا گیا۔ ہم اسلامی تائپ سے سیکولر کی طرف جا رہے ہیں۔ دو ہزار دو میں اسکے ایکسپورٹ چھتیس ملین ڈالر تھے جو کہ اب ایک سو تیس ملین سے زیادہ ہو

گئے ہیں۔ ایک عام آدمی کی آمدنی میں تین گنا اضافہ ہوا، اور ترکی کی ٹاپ ٹوئینٹی گلو "no بل سٹینڈنگ ہوئی۔۔۔۔ وہ صحیح معنوں میں مرد بحران واقع ہوئے۔ اس نے کی پالیسی جاری رکھی ۔۔۔اور پڑوسی ممالک کے "problems with neighbours ساتھ اچھے تعلقات استوار کیئے۔

پاکستان کی صورتحال کا جائزہ لیں تو حالیہ بر سر اقتدار پارٹی کے سربراہ اور موجودہ وزیر اعظم کو تیسری بار وزارات اعظمی کا شرف حاصل ہے۔

انیس سو پچاسی میں پاکستان مسلم لیگ نواز کے نام سے پارٹی بنائی۔ تین مرتبہ اقتدار ملا۔ سب سے اہم صوبے کے وزیر اعلی رہے۔ اہم ترین عہدوں پر رہے۔ خیر سے ملک کے بارہویں وزیر اعظم ہے۔ ملک میں جدید شہراہوں کی تعمیر کا سہرا بلا شبہ حالیہ وزیر اعظم کو جاتا ہے۔ اور آمدورفت کا صحیح نظام ہی ملکی معیشت کو پہیے لگا سکتا ہے۔ جو کہ تعریف کے مستحق ہے، لیکن یہ منصوبے قوم کی حالت نہیں بدل سکیں، نہ ہی ایک غریب کی زندگی کم غریب لوگوں جیسی ہوئی، آج بھی ایک غریب سالانہ سیلاب کا انتظار کر رہا ہے، جو بھاری نقصان کرکے گزر جاتا ہے، اور ہم منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔ ساری قوم پچھلے پندرہ لوڈ شیڈنگ کے بحران سے گزر رہی ہے، ایک شدید کرب سے گزر رہی ہیں۔ ملک قرضوں میں ڈوب رہا ہے، اور بے روزگاری میں اضافہ ہو رہا ہے۔

پچھلے پندرہ سال سے ہم جنگ میں دھکیل دیئے گئے۔ فوجی کمان نے زور پکڑ لی، عالمی صورتحال بدل گئی، مگر ہماری صورتحال غلط فیصلوں سے بدلی گئی۔ ملک کے نوجوان ایک نئے لفظ سے متعارف کروائے گئے جسے لوڈشیڈنگ کہا جاتا ہے جو تا حال جاری ہے۔ اس دوران ڈالر زور پکڑتا گیا، آسمان کی بلندیوں کو چھوتا گیا، کرپشن بھی زور پکڑتا گیا، نا ہلوں کو منصب سے نوازا گیا، لوگوں کو غائب کروایا گیا، بیروزگاری زور پکڑتی گئی، ملک کی اندرونی صورتحال مکمل طور پر تبدیل ہوتی گئی، خودکش حملوں میں اضافہ ہوتا گیا، جمہوری حکومت نے کمان سنبھالی تو وہ بھی قوم کو لوڈشیڈنگ کا تحفہ دی گئی، اور دہشت گردی کو کنٹرول نہ کر سکی، اس کے بعد جمہوری قوت آ گئی، وہ بھی کوئی چینج نہ لا سکی۔ پڑوسی ممالک سے بھی تعلقات خراب ہوتے رہے۔ امیر میر تر اور غریب غریب تر ہوتا گیا۔ امراء کو ٹیکس میں چھوٹ ملتی گئی، روپے کی قدر گرتی چلی گئی ڈالر بلندیوں کو چھوتا گیا، مہنگائی نے کمر توڑ ڈالے اور درباری چمچے سب اچھا کی رپورٹ دیتے رہے اور حکمرانوں کی آنکھوں میں دھول جھانکتے گئے۔

میرے محترم وزیر اعظم صاحب آج اسلامی دنیا ترکی کی قیادت کو مبارک باد پیش کر رہی ہے جو مسلسل تیسری بار حکومت کر رہی ہیں، اگر آپ بھی ہیٹرک کرنا چا

ہتے ہیں تو صرف ترکی کے پچھلے پندرہ سال کا جائزہ لیں۔ ترکی سے سیکھنے کی ضرورت ہے۔ اپ پچھلے پندرہ سال اپنا ماضی جھانکیں۔ اور غلطیوں سے سیکھیئے۔ میرے محترم وزیر اعظم صاحب اپکی اور طیب اردگان صاحب کی ملک کی صورتحال ایک جیسی ہے۔ طیب اردگان کو اپنا ملک بحران زدہ ملا تھا، اپکو بھی ملا ہے۔ اپکے سامنے توانائی کا بحران ہے، ان کے ساتھ وسائل کی کمی تھی، ان کے ساتھ وہ وسائل بھی نہیں جتنا اللہ تعالی نے اپکو نوازا ہے، اپ اپنے ملک کو کہیں اگے لیجا سکتے ہیں، اپ ایک غریب کو کم غریب کر سکتے ہیں، اس نے اپنے ملک کو بحران سے نکالا اور ہیٹرک کر دالی۔ اپ بھی پالیسیاں بنا کر اپنے ملک کو اپنے پاوں پر کھڑا کر سکتے ہیں۔ اپ بھی ہیٹرک کر سکتے ہیں۔

ریحام اور ایان کی خبروں کی شوقین یہ میڈیا۔۔۔

انیس سو تہتر کو پیدا ہونے والی ریحام خان ایک سال قبل میڈیا کی توجہ کا مرکز نہیں تھی۔۔۔ وہ بی بی سی کی رپورٹر رہی تب بھی عام رپورٹر کی طرح ہی تھی۔ اس نے ایک فلم میں بھی کام کیا اور میڈیا نے کوئی توجہ نہ دی۔۔۔۔سال دو ہزار پندرہ کے ابتدائی مہینوں میں پاکستان کے مقبول ترین سیاسی رہنما عمران خان سے شادی کی خبروں نے اسکو شہرت کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ گو کہ یہ شادی سادگی سے ہوئی مگر دھوم دھام اسکی بہت خوب ہوئی۔۔میڈیا نے کئی کئی دن اسکی رپورٹنگ کی اور حال سناتا رہا۔۔۔ ہم یعنی عام لوگ کئی کئی ہفتے بحث و مباحثہ میں مبتلا رہے۔۔۔وقت گزرتا گیا، اور حالات نے پلٹا کھایا، دونوں کی انڈرسٹنڈنگ برابر نہ ہوئی اور بات ختم ہو گئی، دونوں جدا ہو گئے۔۔۔۔۔ مگر ہمارا میڈیا ہفتوں اسکی رپورٹنگ دیتا رہا اور اب بھی دے رہا ہے۔۔۔ حتیٰ کہ سماجی ویب سائیٹ کی مسلسل نگرانی کی جا رہی ہے۔۔۔۔

دوسری محترمہ ایان علی جس کی عمر بائیس سال بتائی جاتی ہے۔ منی لانڈرنگ کے حوالے سے شہرت پائی اور اپنی عمر سے کئی گنا تیز نکلی۔ منی لانڈرنگ کیس ایک حساس کیس ہوتا ہے، مگر ہماری میڈیا نے اس کیس میں پکڑی جانی والی

ملزمہ کو ایک ہیروئن کے روپ میں پیش کیا۔ اور پل پل کی خبر دیتے رہے۔ اتنی نظر تو شہزادہ ولیم پر بھی نہیں رکھی جاتی ہو گی جتنی ہماری میڈیا نے بدنام زمانہ اس ماڈل کو دی۔۔۔۔ ایان علی کی منٹ منٹ کی خبر بریکنگ نیوز دیتے رہے۔ منی لانڈرنگ ملکی معیشت کی جڑیں کھوکھلی کر دیتا ہے اور ملکی معاشی استحکام کو تتر بتر کر دیتا ہے۔ بجائے ان باتوں کے، ہم انہیں ہیروئن کی روپ میں اجاگرتے رہے۔

ان دو واقعات کے بعد اپ فیصلہ کیجئے کہ کیا ریحام خان کی شادی یا علیحدگی کیا پاکستان کے سرفہرست مسئلوں میں سے پیچیدہ مسئلہ تھا۔ جس کی اتنی شہ سرخیوں میں پذیرائی کی گئی؟ کیا یا ایان علی کی گاڑی کا پیچھا کرتے ہوئے اسکی رپورٹنگ دینا میڈیا کی افضل ترین ذمہ داری تھی؟؟؟؟

ان ہی دنوں میں پنجاب میں قصور سیکس سکینڈل وقوع پذیر ہوا۔۔۔ میڈیا کہاں گیا تھا؟؟؟؟ وزیرستان میں ڈرون سے متاثر ہونے والے معصوم، نہتے لوگوں کی پل پل رپورٹنگ کیوں نہیں کی گئی؟ جہیز کی بھاری بھر کم ڈیمانڈ سے شادی کی آس لگائے ہماری بہنیں اور جہیز کے خلاف لوگوں میں شعور بیدار کرنے کے بجائے ذاتی زندگی کی ڈسکشن کے یہ ڈرامے کیوں؟؟؟؟ ایک غریب آدمی کا پیچھا کرتی مہنگائی، غریب کو کھاتی مہنگائی کی پل پل رپورٹنگ کیوں نہیں کی جاتی اور

اس پر حکومت کی پالیسیوں سے ایک عام آدمی کے تاثرات کو کیوں نہیں دکھایا جا رہا؟۔۔۔۔

اب ذرا پاکستان سے نکل کر عالمی دنیا پر نظر دوڑائیں۔۔۔ دنیا کی میڈیا ہم پر دہشت گرد کا لیبل لگا رہی ہے، اور ہماری میڈیا ریحام اور عمران کی ذاتی باتوں میں دلچسپی لے رہا ہے۔ دنیا ہم پر پولیو کی وجہ سے دروازے بند کرنے کی قریب ہے ہماری میڈیا ایان علی کو ہیروئن کا روپ دے رہے ہیں۔۔۔

دور حاضر میں میڈیا آنکھ، زبان، کان، بن چکی ہے۔ جس کی میڈیا مضبوط ہو، طاقت بھی اسکی دنیا بھی اسکی۔ دنیا اسی کی کنٹرول میں۔۔۔ آئے تھوڑی سی جھلک دیکھتے ہیں۔ فرانس میں دھماکے ہوئے، عالمی میڈیا نے بھرپور مذمت کی۔ اسے انسانیت کا قتل کہا۔ واقعی قابل مذمت ہے، فلسطین میں ہر دوسرے تیسرے روز ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں، عالمی میڈیا کی کوئی مثبت کوریج نہیں۔ کیا فلسطین کے عوام کا قتل انسانیت کے قتل کے زمرے میں نہیں آتا؟؟؟؟ کیا پاکستان میں بم دھماکوں سے مرنے والوں کا جسم فرانس میں مرنے والوں کے جسم سے مختلف ہیں؟

جسے ڈے این اے ٹیسٹ سے کلیئر کرکے انسانیت کے زمرے سے باہر کر دیا جائے؟؟؟؟ کیا شام پر ہونے والے حملوں میں بے گناہ انسان نہیں مر رہے؟ کیا یہاں پر انسانیت کی معنی و مفہوم بدل جاتے ہیں۔۔۔؟؟؟؟

عالمی میڈیا نے مسلمان کا روپ اس طرح بنا ڈالا کہ بس آگیا اور سب کو کھا جائے گا۔اور کیوں نہ بنائے جب ہماری میڈیا بدنام زمانہ ایان علی کی رہائی کے بعد پل پل کی رپورٹنگ کو بریکنگ نیوز کے طور پر نشر کریں۔ اور انہیں دنوں فرانس میں واقع حملوں کے پیش نظر چار ہزار پاکستانیوں کو واچ لسٹ میں رکھا گیا ہواور ہم کسی کی ذاتی زندگی کو ہفتوں تک بحث و مباحثہ کا موضوع بنائیں۔ اور ان پر ترجیح دیں۔۔۔۔

پاکستان میں معصوم طلبا کو بیدردی سے قتل کیا گیا۔ عالمی میڈیا نے پاکستان کو اور بھی دہشت گرد ملک قرار دیا۔ پاکستان کو ایک غیر محفوظ ملک قرار دیا۔ نقصان بھی ہمارا، اور الزامات بھی ہمارے سر پر۔۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم بری طرح پھنس چکے ہیں ۔۔۔ اسلام کے نام پر ہم پر دھماکے ہو رہے ہیں ، نقصان بھی ہمارا، اور دہشت گردی کا لیبل بھی ہم ہی پر۔۔۔ کیا خوب چال ہے۔۔۔ اور ہم نے مسلمانوں پر ظلم کو اجاگر کرنے کے بجائے ریحام خان، ایان علی کو شہہ سرخیوں میں رکھا۔۔ تو عالمی تناظر میں ہمارا حال کیوں ایک یتیم سا نہ ہو، کوئی

کیوں فلسطینیوں سے جاری ظلم پر افسوس کرے گا کیوں اپنی فیس بک کی پروفائل پیکچر پر فلسطین، شام، عراق، پاکستان کا جھنڈا لہرائے گا۔۔۔ہماری میڈیا کو ذمہ داری اور عالمی میڈیا کو انصاف کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔۔۔۔

ایک بے گناہ کا قتل انسانیت کا قتل ہے چاہے وہ فلسطین کا ہو یا فرانس کا۔ دونوں کو ایک ہی پلڑے میں تولا جائے۔ اور اس جانب تب ہی مثبت سوچا جا سکتا ہے جب ہماری میڈیا ذمہ داری کا مظاہرہ کرے۔ اور تو اور ہم اپنے کشمیری بھائیوں سے ہونے والے مظالم پر خاموش دکھائی دے رہیں اور ہفتہ دو ہفتہ میں کسی خاص یوم پر ۵ منٹ کا ایک پروگرام نشر کر دیتے ہیں جس کے مقابلے میں بھارت ہم سے کہیں آگے ہیں۔ اور ہم عالمی برادری کی ہمدردیاں سمیٹنے سے قاصر ہیں۔ یہ ہماری میڈیا کا حال ہے۔

یہ ایک ڈرائیور کا بیٹا ہے۔۔۔۔

یہ کہانی اس شخص کی ہے جو ایک ایسے ملک ہے تعلق رکھتا ہے جہاں کبھی اس کا سورج غروب نہیں ہوتا تھا، جہاں کسی زمانے میں دنیا ان کی مٹھی میں ہوتی تھی۔ لوگ ان کو " گریٹ برٹین " کے نام سے جانتے تھے۔ ساجد جاوید نامی مسلمان شخص اس زمیں سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا باپ ایک ڈرائیور ہے۔ دو ہزار چودہ کے ایک پول میں اس نے ۴۳ فی صد ووٹ حاصل کیئے۔ دنیا کے مشہور ترین رسالے " فوربز " نے اسے امریکصدر باراک اوبامہ سے موازنہ کرنا شروع کیا۔ اسے برطانیہ کا باراک اوبامہ کہنا شروع کیا۔ اس کے متعلق چہ میگوئیاں شروع ہوئی کہ وہ برطانیہ کا آئیندہ وزیر اعظم ہو سکتا ہے۔

عمر اس کی چھیالیس سال بنتی ہے۔ پچیس سال کی عمر میں وہ امریکہ چلا گیا اور ایک بینک میں وائیس پریزیڈنٹ بن گیا جو دنیا کی تاریخ میں سب سے کم عمر میں حاصل کیا گیا اسکا بینک کا بڑا عہدہ تھا۔ برطانیہ کے دو ہزار دس کے جنرل الیکشن میں اس نے بالیس ہزار ووٹ لیئے اور اپنے مخالف کو دگنے ووٹ سے شکست دی۔ فوربز مشہور جریدے نے اسے باراک اوبامہ سے کمپیئر کرنا شروع کیا اور کچھ دن پہلے وہ برطانیہ کا ان گورے، فرنگیوں کا ثقافتی وزیر بن گیا جو

کبھی ہم پر راج کیا کرتے تھے۔۔۔۔

یہ تمام تمہید ساجد جاوید کے حق میں اس لیئے نہیں کی گئی کہ ہم اسے ہیرو کے روپ میں ڈال رہے ہین یا اس لیئے بھی نہیں کی گئی کہ وہ ایک مسلمان ہے اور مسلمان اب برطانیہ پر حکومت کرکے گوروں سے ایسٹ اینڈیا کمپنی کے تحت آنے والے دھوکہ باز گوروں سے بدلہ لے رہے ہیں، وہ اسلامی شعار کا اتنا پابند بھی نہیں اور اس کے ، متعلق یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ وہ اسرائیل کو پسند بھی کرتا ہے۔ تو ہم ایسے شخص کو ہیرو کے روپ میں پیش تو نہیں کر سکتے مگر اس تمام تمہید میں ایک ہی نقطہ زیر غور ہے وہ ہے ڈرائیور کا بیٹا۔ہان جی ڈرائیور جو کہ ہمارے معاشرے میں ایک معمولی ترین آدمی سمجھا جاتا ہے، جو ہر راہ چلتے ہوئے قریب سے گاڑی اوور ٹیک کرتے ہوئے کو ایک مخصوص گالی سے نوازتا ہے۔ اور گاڑی میں اونچی اواز میں پردیسی پردیسی جانا نہیں کے سونگز لگاتا ہے۔۔۔

ہم روزمرہ کی زندگی میں ڈرایوَر سے اچھے رویئے کی توقع کم ہی رکھتے ہیں ۔ ڈرایوَر کے بچے بھی گھر میں پرانے ٹائر کے ساتھ کھلتے دکھائی دیتے ہیں وہ ٹائر کے پیچھے اسکو حرکت دیتے بھاگتے پھرتے ہیں اور اپنے اپ کو ڈرایوَر سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی تو وہ بچہ بیک وقت ڈرایوَر، سواری، گاڑی تک بھی بن

جاتا ہے اور الگے پیچھے گئیر لگاتا ہوا منہ سے ہنگ ہنگ کی آواز نکالتا رہتا ہے، یہ سب کیوں۔۔۔۔؟ کیونکہ اسکا باپ اسکے لیئے رول ماڈل ہوتا ہے، اس کا باپ اسکی نظر میں ہیرو ہوتا ہے۔ اور وہ بھی بڑا ہو کر ایک " اعلیٰ پائے " کا ڈرایئور بننا چاہتا ہے۔۔اس میں اس بے چارے کی کوئی غلطی نہیں، کیونکہ جیسا دیس ویسا بھیس ۔۔ہمارا نظام ہی کچھ ایسا ہے کہ ہم ڈرائیور کے بیٹے کو ڈرائیئور ہی بنا دیتے ہیں۔۔ مگر صرف ہم ۔۔ ،آئیں دیکھیں، ملاحظہ کریں

ڈرایئور کا بیٹا آج برطانیہ کے پارلیمنٹ کا حصہ ہے اور وزیر باتدبیر بھی بن گیا اور اسے مستقبل کے اوبامہ سے سے بھی تشبیہ دی جا رہی ہے۔۔۔۔ ایسی قومیں ترقی کیوں نہ کریں گے؟ ایسی ملکوں کا زوال بڑی مشکل سے ائے گا جو کرسی کو صرف اپنوں تک محدود نہیں رکھتی۔ وہ بلا امتیاز ملکی خدمت کے لیئے اہل لوگوں کو مواقع فراہم کرتی ہیں۔ اب ائے اپنے سوچ کے زاویوں کو دوبارہ اپنے سسٹم کی طرف لے کر ائیں۔۔۔۔۔

پاکستان میں چند بڑی پارٹیاں ہے۔ اپ ذرا اس کا سٹرکچر دیکھیں۔ ان سب نے اپنے جانشین اپنوں میں ہی سے چنا ہے۔۔۔ چاہے وہ اس منصب پر پورا اترے نہ اترے کرسی کو اس کا حق سمجھ کر ان کو منتقل کیا یا ان کے گریجویشن کا انتظار کرتے رہے ہیں تاکہ انہیں پارٹی کا اہم ترین عہدہ دے سکیں۔۔۔ ہمارے ہاں تو خاندانی نام تک بھی بدل لیئے جاتے

ہیں۔۔۔۔۔

اب ذرا اپنے گریبان میں جھانکیں، دیکھے اور اسے کھل کر دیکھے کہ میں نے کتنا ساتھ دیا ہے اس موروثی سیاست کو امر کرنے میں۔ کیا ہم ہر وقت سیاست دانوں کو کوستے رہینگے۔۔۔۔ ؟؟؟؟نظام بدلنا ہے تو خود بدلو۔ اپ کے پاس ووٹ کی طاقت ہے۔

ووٹ کی طاقت سے بدلو۔ اس موروثی سیاست نے کیا دیا ہمیں۔ ڈرایور کا بیٹا ڈرایور ہی بن رہا ہے۔ سوچئے، سمجھے، اور بدلیئے نظام کو۔ اپ بدل سکتے ہیں اس نظام کو مگر صحیح شخص کا منتخاب کرکے۔۔۔ اور اہل شخص کو مواقع دیکر۔

ملکوں کے قومی ترانے

فرانسیو گونزالیز بوکا نیگرا "یہ مشکل نام میکسیکو میں وہی حیثیت رکھتا ہے جہاں ہما" رے ہاں حفیظ جالندھری کی ہے۔ 1853 میں میکسیکو گورنمنٹ کی طرف سے مقابلے کا اعلان ہوا کہ انہیں حکومت کے لیئے ایک بہترین گیت کی ضرورت ہے جسے دفتری حیثیت سے پیش کر سکیں۔ فرانسیسو ایک شاعر تھے اور اس کی ایک دوست نے اسے اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کی مگ فرانیسسو صاحب اس میں کوئی دلچسپی نہ لے سکے۔ اس کی دوست نے اسے اپنے والدین کے گھر کے ایک کمرے میں بند کر لیئا اور میکسیکو کی تاریخ کے بارے میں معلوماتی مواد فراہم کرنے لگی یہاں تک کہ اس نے ایک گیت تیار کر لیئا اور باہر نکلے۔ اور یوں یہ گیت میکسیکو کا قومی ترانہ بن کر ابھرا۔ بعد میں دونوں نے شادی بھی کی۔

اس کہانی سے مراد ہمارا آج کا موضوع نہ تو دوست کے بارے میں ہے کہ ایک دوست کی سختی نے ایک اعلیٰ شاعر بنا دیا یا نہ ہی اس سے مراد کامیابی کے پیچھے عورت کا ہاتھ ہو تا ہے کے بارے میں ہیں بلکہ آج ہم ملکوں کے قومی ترانوں کے بارے میں دلچسپ معلومات شیئیر کرنا چاہیں گے۔

قومی ترانے کسی قوم کی ایک قسم کا گانا ہوتا ہے جس میں قوم کی مختلف حوالوں سے ترجمانی کی گئی ہوتی ہے۔ اور جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ ایک قسم کا گانا ہوتا ہے جس میں کسی ملک کو بہترین طریقے سے پیش کرنا ہوتا ہے۔ اس کی جزبات، احساسات کی ترجمانی کرتا ہے۔ قومی ترانوں کا ایک با قاعدہ آغاز 19 ویں صدی عیسوی میں ہوا۔ ڈچ قوم کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کا ترانہ قدیم ترین ترانوں میں شمار ہوتا ہے۔ ان کا ترانہ پندرہ سو صدہ عیسوی میں لکھا گیا۔ لیکن اسے دفتری حیثیت 1932 میں ملی۔

جس طرح ہمارے قومی ترانے کا دورانیہ اسی (80) سیکنڈ ہے اسی طرح کے حساب سے قومی ترانے چھوٹے بڑے ہوتے ہین، سب سے لمبے ترانے کا اعزاز یونانی ترانی کو حاصل ہے جس میں ایک سو اٹھاون سٹینینزہ ہوتے ہیں۔ یوگنڈہ کا قومی ترانہ دنیا کا مختصر ترین قومی ترانہ ہے جو میوزک کے صرف اٹھ بار پر مشتمل ہے۔ جاپان کا قومی ترانہ بھی مختصر ترین شمار کیا جاتا تھا جو صرف بتیس سیکنڈ پر مشتمل تھا مگر اب اسمیں تحریف کرکے بڑھا دی گئی ہے۔

ہمارے اس دنیا میں ایسے ممالک بھی ہیں جن کے اپنے قومی ترانے نہیں بلکہ دوسرے کے قومی ترانوں سے کام چلا لیتے ہیں ایسے ممالک میں سائپرس کا نام آتا ہے جو یونان اور ترکی کے قومی ترانوں سے کام چلا لیتا ہے۔ ایسے ممالک

بھی ہیں جن کے قومی ترانے الفاظ کے بجائے دھنوں سے کام چلا لیتے ہیں ان ممالک میں ایک اسلامی ملک گنی بھی شامل ہے، گنی کے قومی ترانے میں ایک بھی لفظ نہیں ہیں بلکہ صرف موسیقی پر مشتمل ہے۔ ایسے ممالک میں سپین بھی شامل ہیں۔ سپین کے ساتھ ساتھ اس فہرست میں بوسنیا، ہرزیگوینا اور سان مرینو شامل ہیں۔

یہاں پر یہ ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ ایسے ممالک بھی شامل ہیں جن کے قومی ترانے ان کے وزراء اعظم یا صدور نے لکھے ان ممالک میں ایکواڈار، سینی گال، کو لمبیا اور بیلجیئم شامل ہیں، ۔۔۔۔

پیارے ملک پاکستان کی قومی ترانہ دنیا کی بہترین ترانوں میں شمار ہوتا ہے، قومی ترانے کے خالق ابوالعصر حفیظ جالندھری ہے جسے اگست 1954 کو جاری کیا گیا۔ قومی ترانے کی دھن دنیا کی بہترین دھنوں میں شمار ہوتی ہے جسے احمد جی چگلہ نے کمپوز کیا۔ واقعی ہمارا قومی ترانہ بہترین ترانہ ہے جس کے الفاظ معنی پر سوچ کر اسے اپنا شعار بنا کر، عملی طور پر اپنا کر اپنے لیئے، اپنے ملک کے لیئے، بہت کچھ کر سکتے ہیں، پاک سرزمیں ہمیشہ شاد اور آباد ہی رہے، خدا کرے ہم اخوت سے ہی رہیں، اور ہمارا ملک، ہماری قوم، سلطنت سلامت رہیں اور اپنی نیک منزل مراد تک پہنچیں۔ خدا کرے ہمارا سبز ہلالی پرچم کبھی

کسی کے سامنے سرنگوں نہ ہو، یہ ہمیشہ اونچا ہی اونچا رہے جو ہماری وقار کی علامت ہے
اور خدا ہمیشہ ہمارا مددگار رہے۔

دنیا کے مختلف شہروں کی دلچسپ وجہ شہرت

: کیلیفورنیا

امریکہ کی ریاست کیلی فورنیا کو انڈوں کا شہر بھی کہتے ہیں۔ یہاں پر انڈوں اور مرغیوں کا کاروبار عروج پر تھا۔ کئی دہائی پہلے یہاں پر انڈے سینے کا پلانٹ لگایا گیا۔اور اسی نسبت سے اسے انڈوں کا شہر جانا گیا۔

: کوپن ہیگن

یورپ کے قدیٰ ترین شہروں میں شمار ہونے والا یہ شہر اس جدید دور میں دنیائے عالم کے لیئے انتہائی اہمیت کا اختیار کر گیا ہے۔ دنیا بھر کے اجلاس اور میٹنگز زیادہ تر ے ہیں پر ہی ہوتے ہیں۔ کوپن ہیگن دنیا کا ایک معاشی مرکز بن گیا ہے۔ اور دنیا میں " تاجروں کا شہر " سے پہچانا جاتا ہے۔

: شکاگو

امریکہ کا یہ شہر گنجان آباد شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ جدید فن تعمیر کا اعلیٰ نمونوں میں شمار ہوتا ہے۔ فلک بوس عمارتوں کا یہ شہر اقوام عالم میں " آندھی کا شہر " کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جھیل میشی گن سے آنے والے

ہوا نے شکاگو کی شہر کو دنیا بھر میں ہوا کا شہر کے نام سے شہرت دلائی۔

: پیٹسبرگ

ریاست پینسلوانیا کا یہ دوسرا بڑا شہر " فولاد کا شہر " کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں یہاں فولاد کے کارخانے لگائے گئے اور فولاد کی خالص شکل حاصل کر لی جاتی۔ یوں اسکا نیک نیم فولاد کا شہر دیا گیا۔

: کراچی

پاکستان کا سب سے بڑا شہر اور دنیا کا بیسواں بڑا شہر " روشنیوں کا شہر " شمار ہوتا ہے۔ دنیا کو شاید لوڈشیڈنگ زدہ پاکستان کے متعلق یہ خبر کچھ عجیب لگے مگر واقعی رات کے وقت کراچی شہر کا نظارہ اسے روشنیوں کا شہر کہلانے کا حقدار ٹھہرا دیتا ہے۔

: ڈھاکہ

بنگلہ دیش کا شہر " مسجدوں کے شہر " سے جانا جاتا ہے۔ اس سے پہلے استنبول کو یہ اعزاز حاصل تھا مگر ڈھاکہ میں استنبول سے سات سو مساجد زیادہ ہیں اور

ڈھاکہ کا رقبہ بھی استنبول سے چھوٹا ہے۔

درخت لگانے کے حیران کن فوائد

چھانگا مانگا " کا نام تو آپ نے سنا ہو گا۔ایک جنگل کا نام ہے۔ پاکستان کے ضلع " قصور میں واقع وہ جنگل جسے دنیا کی تاریخ میں سب سے بڑے انسانی ہاتھ کے بنائے ہو ئے جنگل کا اعزاز حاصل ہے۔اس کا نام چھانگا مانگا کیوں پڑھ گیا یہ بھی ایک دلچسپ کہانی ہے کہ دو بھائی چھانگا اور مانگا تھے وہ چور مشہور تھے چوری کے بعد اپنے لوٹے ہو ئے مال کے ساتھ وہ اس جنگل کا رخ کرتے ، اس نسبت سے اس کا نام بھی چھانگا مانگا پڑھ گیا۔۔۔۔۔اس کو اس وقت کے برٹش سسٹم نے 1890 میں بنایا تھا تاکہ ریلوے کے انجن چلانے کے لیئے ایندھن پورا ہو سکیں۔اس کے بارہ ہزار ایکڑ رقبے پر درخت لگائے جا چکے ہیں۔۔۔آپ ریل میں بیٹھ کر اس کا ارد گرد ۵۰ کلو میٹر تک سفر کر سکتے ہیں۔ لیکن ستم ظریفی یہ کہ برطانیہ سرکار کے زمانے میں انسانی ہاتھوں سے بنایا گیا اس جنگل سے آج تقریبا نصف درخت ختم کر دیئے گیئے ہیں۔۔۔۔

درختوں کی کیا اہمیت ہے اس بات کا اندازہ اپ لگا سکتے ہیں کہ کسی ملک کے اچھی آب و ہوا کے لیئے پچیس فی صد حصے پر جنگلات ہونے چاہیئے۔ مگر بد قسمتی سے ہمارے ملک کی حالت یہ ہے کہ جنگلات کا رقبہ چار فی صد تک ہے۔ جس

کے نقصانات بھی واضح ہے اور پاکستان کو ماحولیاتی آلودگی کے لحاظ سے آلودہ ترین ملکوں میں بھی شمار کیا جاتا ہے، ہر سال سیلاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ موسمیاتی تغیر دیکھنے کو ملتے ہیں۔دنیا کے قدیم ترین چیزوں میں سے درختوں کو بھی قدیم ترین شمار کیئے جاتے ہیں۔ درختوں کی عمر ہزاروں سال تک ہو سکتی ہے ایسا ہی ایک درخت امریکہ میں موجود ہے جس کی عمر چہار ہزار چھ سو سال بتائی جاتی ہے۔ درخت کی عمر کا اندازہ اسکی شاخ پر سالانہ نمودار ہونے والے سالانہ دائروں سے لگایا جاتا ہے اور اس علم کو " ڈینڈرو کرونالوجی " کہتے ہیں۔ایک درخت ایک سال میں دو سو ساٹھ پاونڈ اکسیجن خارج کرتا ہے۔۔ایک ایکڑ رقبے پر لگائے گئے پودے اٹھارہ لوگوں کے اکسیجن کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔۔۔۔

درخت پودے اپنی خوراک خود تیار کرتے ہیں، اگر اپ کو حیرت ہو رہی ہے کہ ہم نے تو کسی درخت کو خوراک تیار کرتے نہیں دیکھا نہ ہی اسے خوراک پکاتے دیکھا ہے تو اپ ٹھیک سوچ رہے ہیں درخت ہماری طرح خوراک پکا کر نہیں کھاتے، نہ ہی فرمائش کے مطابق خوراک کے لیئے دوڑ دھوپ کرتے ہیں پودے کی خوراک وہ سانس ہوتی ہے جو ہم خارج کرتے ہیں اور وہ اسے سارا دن پکڑنے میں مصروف ہو کر اسے سٹور کرتا رہتا ہے اور رات کو اسے اپنی خوراک بنا لیتا ہے اور مزے کی بات یہ کہ یہ خوراک وہ ہم سے مفت میں بھی نہیں لے رہا وہ اس کے بدلے ہمیں

زندگی کی سب سے قیمتی شئے دیتا ہے جس کے بغیر ہمارا جینا محال ہوتا ہے یعنی آکسیجن۔۔۔۔ بد قسمتی سے ہمارے ملک میں درخت لگانے پر کچھ زیادہ توجہ نہیں دی جا رہی اور اس پر ستم ظریفی یہ کہ درخت کاٹنے میں آگے ہی رہے ہیں۔ جس سے ہم ماحولیاتی آلودگی کی زد میں آ رہے ہیں۔۔۔ خصوصا میں ان علاقوں کی بات کروں گا جہاں گیس پلانٹ ہیں، مگر اس قدرتی گیس کے صفائی کے دوران جو زہریلی گیس فضا میں خارج کرنے کے لیئے نکالی جاتی ہے اس کے مضر اثرات دیکھے گئے ہیں اور آنکھوں کی بیماریوں م، جلدی بیماریاں، اور موسمیاتی تغیرات اتنے قلیل عرصے میں اضافہ دیکھنے کو ملا ہے۔ ان مضر اثرات کو ہم کسی حد تک درخت لگا کر کم کر سکتے ہیں اس سلسلے میں سکول کے بچوں سے کام لیا جا سکتا ہے۔ آج کل آئے روز " سول سوسائٹز" اور فاونڈیشنز وجود میں آ رہے ہیں جو کہ خوش آئند بات ہے اور اس کو یہ کار خیر اپنے ذمے لیکر قانونی کاروئی پوری کرکے اس کو کرنا چاہیئے۔۔۔۔ درخت لگانے سے ہمارے علاقے کی آب و ہوا پر بھی کافی خوشگوار اثر پڑ سکتا ہے۔ ویسے بھی ہمارے جو پہاڑ سخت، خشک ہیں جو کہ گرمی میں سخت خشک گرمی کا سبب بنتے ہیں ایسے میں درخت لگا کر اس سے کافی بہتر نتائج حاصل کیئے جا سکتے ہیں۔ تاکہ اس سے چلنے والے ہوا رگڑ کھا کر گرم نہ ہو اور مرطوب نہ لگے۔ اس سے زہریلی گیس خارج ہونے کو بھی کم کیا جا سکتا ہے۔۔۔۔ اس کے لیئے گیس ایکسٹریکشن پلانٹس کو خصوصی توجہ دینی چاہیئے اور درخت لگا کر اپنا فریضہ انجام دینا چاہیئے۔۔۔۔ اپ کچھ عرصہ سے

دیکھ سکتے ہیں ہمارے قدرتی ذخائر رکھنے والے علاقوں میں گرمی خاصی بڑھ رہی ہیں اور آنکھوں اور جلدی بیماریوں میں بھی اضافہ ہو گیا ہے اس کی ایک بڑی وجہ اس گیس کی پروڈکشن ہے جس کے اثرات ہم پر واضح ہیں اس سلسلے میں ہم درخت لگا کر اس کو کسی حدتک کم کر سکتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر ہمارے لیئے اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ درخت لگانا سنت نبوی ہے اور ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر ہم کو معلوم بھی ہو کہ کل قیامت ہے تب بھی درخت لگایا جائے۔ تو آیئے درخت لگا کر اپنے علاقے، اپنے ملک کو سر سبز و شاداب بنائے ورنہ مستقبل میں ہمیں بہت سے ماحولیاتی، جلدی اور جسمانی مسائل کا سامنا کرنا پڑھ سکتا ہے۔اور موجودہ خیبر پختنو خواہ گورنمنٹ کا حالیہ درخت لگانے کی مہم کا فیصلہ نہایت ہی مستحسن ہے۔ موجودہ حکومت کے اس فیصلے سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیئے اور بھرپور ساتھ دینا چاہیئے۔

پاکستانی بن کے بھی دکھائیں

قائد اعظم محمد علی جناح ایک دن تقریر کرنے کے لیئے آنکھ میں لینز لگا رہے تھے کہ گر گیا، سامنے وایسرائے ہند لارڈ ماونٹ بیٹن بیٹھے تھے اور لینز گرا سکی طرف کر چلا گیا، بیٹن صاحب کہنے لگے کہ جناح اپکو تو بڑا ناز ہے کہ میں کسے کے سامنے جھکتا نہیں آج اپکو لینز اٹھانے کے لیئے میرے سامنے جھکنا ہی پڑیگا اور لوگوں کو دکھائی دیگا کہ جناح بیٹن کے سامنے جھک گیا۔۔۔۔ قائد کی غیرت دار طبیعت کیسے یہ گوارا کرتی کہ وہ مسلمانوں کا لیڈر ہو کے ایک بندے کے سامنے جھکے ، فورا اپنی جیب سے دوسرا لینز نکالا اور تقریر کرنے لگے۔۔۔۔ یہ قائد اعظم کی خودداری کی ایک عمدہ مثال تھی۔ جو وہ ایک لینز کے لئے تک جھکنا گوارا نہ کیا۔۔۔

ڈاکٹر رحمان ملک کے نامور ڈاکٹرز میں شمار کیئے جاتے ہیں ایک صاحب ان کے پاس ائے اور اپنا مسئلہ اسکے سامنے بیان کرنے لگے تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کی اسکا علاج یہیں پاکستان میں کرتے ہیں مگر وہ صاحب اعتبار نہیں کر گئے اور سیدھا باہر سے علاج کروانا بہتر سمجھا وہاں جا کر اس صاحب کو دھچکا سا لگا جب اسے وہاں کے ایک مشہور ہسپتال نے ڈاکٹر رحمان کو ریفر کیا جو وہاں پر ڈاکٹر کے طور پر کام کرتا تھا۔۔۔ یہ کیا تھا یہ باہر کی دنیا کا ایک

پاکستانی پر اعتماد تھا جو ایک پاکستانی کا پاکستانی سے اٹھ چکا تھا۔۔۔۔

آپ نے حال ہی میں برازیل میں ہونے والے فٹ بال وٹرلڈ کپ دیکھی ہو نگی اسمیں استعمال کی جانی والی فٹ بالز پاکستان کے شہر سیالکوٹ کی بنی ہوئی تھی اور اگر ہمیں مقابلے میں کسی دوسرے ملک کی فٹبالز رکھ دی جائے تو ہم بڑے فخریہ انداز سے باہر کے اشیاء کو ہی ترجیح دینے اور ایک ہمارے لہجے میں ایک غرور سا، ایک اعتماد سا بھی ہوگا۔۔۔۔

یہ ایک فیشن سا بن گیا ہے کہ میں فلاں ملک کا سامان استعمال کر رہا ہوں حالانکہ وہ کوالٹی میں اتنی زیادہ اچھی نہیں ہوتی اگر ہم اپنے مقامی مارکیٹ پر اعتماد کریں اور وہ ہمیں اعتماد کا موقع بھی دیں تو ہم میں بہت سارا پوٹینشل ہے، کہ ہم ان جیسی ہزاروں اشیاء کو عمدہ کوالٹی میں بنا سکتے ہیں جس سے ہم اپنے گاہک کو اعتماد میں لے سکتے ہیں، ملک کا پیسہ باہر جانے سے بچا سکتے ہیں، ہم اپنی جی ڈی پی بہتر بنا سکتے ہیں، ہم بے روزگاری میں کمی لا سکتے ہیں، امن کی فضاء کو ہوا دے سکتے ہیں، خوشحالی کی طرف قدم بڑھا سکتے ہیں، اپنے انے والوں نسلوں کو ایک بہتر فضا میں سانس لینے کا موقع دے سکتے ہیں،۔۔۔۔۔۔دوسری طرف باہر کیدنیا ان ہی پاکستانیوں سے کتنے فائدے لے رہی ہے۔۔۔ ہزاروں، لاکھوں ڈاکٹر، انجنئیر، باہر کے ممالک میں اپنی خدمات سر

انجام دے رہیں ہیں۔۔۔ حتی کہ بم ڈسپوزل سکواڈ میں بھی پاکستانیوں پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔۔۔

ہم میں بہت سارا ٹیلنٹ بھرا پڑا ہے۔۔۔ اور اسی ٹیلنٹ کو مناسب حوصلہ کی بھی ضرورت ہے، بہت سارے پاکستانی اپنے ملک ہی میں رہ کر پاکستان کی خدمات کرنا چاہتے ہیں لیکن ہماری گورنمنٹ انکو سا نہیں سکیتں، ایسے لوگ پاکستان کے ہیرے ہیں انکو اپنے مٹی سے یقیننا پیار، محبت، ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے لیکن بہت ساری، مجبوریاں نے انکو دیار غیر میں پھنسا دیا ہے، انکی مجبوریوں کو دیکھتے ہوئے ان کو حل کرتے ہوئے انکا اعتماد بحال کرنے کی ضرورت ہے انکو اپنی ہی ملک میں مواقع دیئے جائیں۔۔۔ تاکہ وہ ایک خودار، باعزت، با اعتماد شہری بن سکیں، اور اس ملک کی ترقی میں بھرپور حصہ لیں۔

کل قائداعظم ایک لینز تک کے لیئے جھکنا گوارا نہیں کرتے تھے، کیونکہ اس نے اپنی انا، اپنی خوداری اپنے پاس سنبھال کر رکھی ہوئی تھی۔۔ آج ہمارے لیڈرز اپنی انا، اپنی خوداری بیچ کر کبھی امریکہ کے تلوے چاٹتے ہیں، کبھی بھارت سے بھیگی بلی بن جاتے ہیں، امت مسلمہ کی کھل کر حمایت بھی نہیں کر سکتے، اور ظالم کی کھل کر مسلمانوں پر ظلم کی مخالفت بھی نہیں کر سکتے۔ کیوں۔۔۔ کیوں کہ ہم نے اپنے قائدین، اپنے بزرگوں، اپنے اسلاف کی اقوال و افعال بھلا

دیئے ہیں۔جو اسلام ہمیں خودداری کا درس دیتا آیا ہے، جو اقبال نے اسے سادہ لفظوں میں اتارا ہے، ہمیں اس خودی کو پیدا کرنا ہوگا، ہمیں باہم اعتماد کی فضاء بحال کرنی ہوگی، پھر دیکھتے ہیں کون ریمنڈ ڈیوس ولن کی طرح دندناتا پھرتا ہے۔۔۔ کون ہمارے فیصلے سمندر پار سے کرتا ہے،۔۔۔ کون عافیہ صدیقی کو بھرسوں یرغمال رکھ کے وحشیانہ سلوک کرتا ہے۔۔۔ کون امت مسلمہ کو باری باری ٹارگٹ بناتا ہے۔۔۔

چلو دوسروں کی خطاوں کو فراموش کرکے آج اس مبارک مہینے سے، جس میں قرار داد پاکستان منظور ہوئی، سے یہ عزم کریں کہ ہم اپنے ملک کو خودار بنائیں گے، اس ملک پر اعتماد کرینگے اور دوسروں کو اپنے اپ پر اعتماد والا بنائینگے۔اپنی ملک کی بنی ہوئی اشیاء کو ترجیح دیں۔چین ہم سے بعد میں آزاد ہوا آج وہ ترقی کے انتہا پر ہے، چینی بڑے خودار واقع ہوئے ہیں، وہ کسی ناگہانی آفت پر کسی سے امداد لینا بھی نہیں لینا چاہتے، اسکی مصنوعات سے دنیا بھری پڑی ہیآج جو وہ ترقی کی راہ پر چل پڑے ہیں، شائد اسکی ایک وجہ انکی خودداری بھی ہو۔۔ پاکستانی بنئیے اور بن کے بھی دکھایئے۔۔۔اپنی ملک ہی کی مصنوعات کو ترجیح دینی چاہیئے۔اس سلسلے میں ایک بات یہ کہ اعتماد کا فقدان ہے، گاہک کو اعتماد میں لینا ہوگا۔۔۔اور گاہک کو اعتماد کرنا ہوگا۔اس سے ملک کا پیسہ ملک ہی میں چکر لگاتا رہیگا،۔۔ یہ ملک ہر طرح سے زرخیز

ہے، اس کو ذرا سی '' نمی '' دے کر اپ ہزاروں من فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ وطن کی مٹی سے محبت کا یہ ایک طریقہ ہے جس سے ہم اجتماعی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔۔

خدا کرے میرے ارض پاک پہ اترے
وہ فصل گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو
یہاں جو پھول کھلے ، کھلا رہے صدیوں
یہاں سے خزان کو گزرنے کی مجال نہ ہو
ہر ایک فرد ہو تہذیب و فن کا عوج کمال
کوئی ملول نہ ہو کوئی خستہ حال نہ ہو
خدا کرے میرے ایک بھی ہم وطن کے لیئے
حیات جرم نہ ہو زندگی وبال نہ ہو

انٹرنیٹ کی دنیا پر حکمرانی کرنے والی ایک ریاست۔۔۔۔؟؟؟؟

سب سے پہلے تو میں اس بات کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا کہ ہماری ویب والوں نے اس بندہ ناچیز کو Best Performer in the category of MOST LIKED کے ایوارڈ سے نوازا۔ جس کے لیئے میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ یہ سب اس ذات کریم کی مہربانیاں ہے جس کی ہاتھ میں عزت ہے، وہ چاہے تو عزت سے نوازے چاہے تو ذلت دے۔ میں اپنے چاہنے والوں کا انتہائی شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے اتنے کم عرصہ میں اتنی محبت دی کہ مجھے "ہماری ویب" واقعی ہماری ہی ویب لگتی ہے۔ اللہ آپ سب کو بھی عزت سے نوازیں۔ اپ کی محبت جاری رہی توائندہ بھی اپکو مایوس نہیں کرینگے۔ امید ہے آپ کی محبت جاری رہی گی۔ اپکی خدمت میں اپکی محبتوں کا منتظر ایک اور آرٹیکل۔۔۔۔۔۔۔

موجودہ دور میں انٹرنیٹ کی اہمیت سے انکار کسی صورت نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ جس ملک نے نیٹ تک پہلے رسائی حاصل کی، وہیں ترقی میں بھی آگے رہا۔ وہی آگے ہی آگے جا رہا ہے۔ نیٹ کی بدولت دنیا دنیا کے کونے کونے سے لوگ اپسمیں مل گئے ہیں۔ مہینوں کا کام منٹوں میں ممکن ہو سکا ہے۔ مگر دنیا کے کچھ ممالک ایسے بھی ہے جس نے انٹرنیٹ کی مشہور ویب سائیٹس

کی بھاگ ڈور صرف اپنی ہاتھ میں لے رکھی ہے اور وہاں سے کنٹرول کیئے جاتے ہیں۔ جب بھی ترقی یافتہ ممالک کی بات آتی ہے، امریکہ کا نام سر فہرست دیکھنے کو ملتا ہے۔ مگر اس امریکہ ہی کے ایک ریاست نے انٹرنیٹ کے بہت سے مشہور ویب سائیٹس کو اپنے ہاتھوں میں لیئے رکھا ہے اور اس ریاست کا نام کیلی فورنیا ہے۔ ہم روزمرہ کی استعمال میں لانے والے ویب سائیٹس کو ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

: گوگل

دنیا کی سب سے مشہور اور بڑی سرچ انجن گوگل مانی جاتی ہے۔ گوگل کا ہیڈ کوارٹر امریکہ کی ریاست کیلی فورنیا کے شہر ماونٹین ویو میں ہے۔

: یاہو

برقی خطوط کے لیئے استعمال ہونے والے اس ویبسائیٹ کا بڑا دفتر اریکہ کی ریاست کیلی فورنیا کے شہر سنی ویلے میں ہے۔

: فیس بک

سن دو ہزار چار میں چند دوستوں کے اس سوچ نے کہ وہ اپسمیں رابطے میں رہنے آگے جا کر انٹرنیٹ کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا اور فاصلوں کو مزید کم کیا۔

آج کل فیس بک کا ہیڈ کوارٹر امریکہ کی ریاست کیلی فورنیا کے شہر مینلو پارک میں ہے۔

ٹوئیٹر:

سماجی ویب سائیٹ جس کے استعمال کو مشہور شخصیات اولین ترجیح دیتے ہیں کا ہید کوارٹر امریکہ کی ریاست کیلی فورنیا کے شہر سان فرانسسکو میں ہے۔

یوٹیوب :

یوٹیوب جسے ویڈیو شیئیرنگ، اپ لوڈنگ کے لیئے سب سے بڑی ویب سائیٹ قرار دیا جاتا ہے۔ اور پاکستان میں چار سال بند رہی اور اب بھی اکثریت حقیر نظر سے دیکھ کر متبادل سایئٹ استعمال کرنے کو ترجیح دیتی ہے۔ یوٹیوب کا ہیڈ کوارٹر بھی امریکہ کی ریاست کیلی فورنیا کے شہر سان برونو میں ہے۔

انسٹا گرام :

سماجی ویب سائیٹ انسٹا گرام کا وجود دو ہزار دس میں وجود میں آیا۔انسٹا گرام کو ویڈیو شیئیرنگ اور تصاویر کے لحاظ سے سب سے زیادہ محفوظ تصور کیا جاتا ہے۔امریکہ کی ریاست کیلی فورنیا کا شہر سان فرانسسکو انسٹا گرام

کے ہیڈ کوارٹر کی میزبانی کر رہا ہے۔

وٹس ایپ۔

سماجی ویب سائیٹ جسے تیز تر میسیجنگ سوس کے بناء پر استعمال میں لایا جاتا ہے کا ہیڈ آفس امریکہ کی ریاست کیلی فورنیا کے شہر مونٹین ویو میں ہے۔

: لینکڈان

دنیا بھر کے پیشہ ور لوگوں کا جمگھٹا لینکڈ ان پر دیکھنے کو ملتا ہے۔ دنیا بھر کے پیشہ ور لوگ یعنی پروفیشنلز اس ویب سائیٹ سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے اپنے پیشے میں مہارت دوسروں سے شیئر کرکے ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس کی بھاگ ڈور امریکہ کی ریاست کیلی فورنیا کے شہر مونٹین ویو میں ہے۔

پین ٹرسٹ : ایک طرح کی سماجی ویب سائیٹ جسے پسندیدہ تصاویر کو محفوظ کرنے کے لیئے استعمال میں لایا جاتا ہے اس کی کنٹرول بھی کیلی فورنیا کے شہر سان فرانسسکو میں ہے۔

کرکٹ کے مشہور کھلاڑ جو دوسرے لحاظ سے بھی مشہور ہیں

کرکٹ دنیا کا کھیلا جانے والا دوسرا پسندیدہ کھیل ہے۔ جس کی ابتداء گوروں سے ہو ئی۔ تقریبا ایک سو چالیس سال کے عرصے پر محیط اس سفر میں کرکٹ نے بہت ترقی کر لی ساتھ ساتھ نت نئے تجربات نے اس نے اس کھیل کو بہت دلچسپ شکل دی۔

وقت کے ساتھ ساتھ بہت سے کھیلاڑی ایسے بھی نمودار ہوئے جو میدان میں کر کٹ کھلینے کے ساتھ ساتھ کچھ دوسرے خصوصیات کے بناء پر شائقین کی نظروں میں آ گئے اور ان خصوصیات اور عاداتوں کی بناء پر ایک الگ جگہ پائی۔

کرس گیل : دراز قد کے ویسٹ انڈین آلراونڈر جسے بال کو باونڈری سے باہر پھینکنے میں مہارت تو حاصل ہے ہی۔ اور کرکٹ کی ایک کثیر تعداد اس کی دلدادہ ہیں مگر دو ہزار تیراہ کے ٹی ٹو نٹی عالمی کپ جیتنے کے موقع پر اس نے ایک مخصوص ڈانس کے جلوے دکھا کر دنیائے کرکٹ کے شائقین کو اور بھی گرویدہ کر لیا۔ کرس گیل نے گینگ نیم ڈانس" پر کمال جوہر دکھائے ، اپنے اس فن کو دنیا پر آشکارا کیا اور خوب" انجوئے کیا۔ اور تو اور وہ جب کھڑے کھڑے ڈانس کرتے تھک گئے تو لیٹ کے بھی ڈانس کرتے رہے۔ یوں کرس گیل کا یہ ڈانس سب کا پسندیدہ بن گیا۔

ملینگا: سری لنکن فاسٹ باولر لیسنتھ ملینگا جسے وکٹ اکھاڑنے کا دشمن کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا۔۔۔۔اس کا ایک مخصوص اور خطرناک باولنگ ایکشن بھی بہت سے بیٹسمینوں کے لیئے مشکل کھڑی کر رہا ہے۔ مگر مخصوص اور منفرد ہیئر سٹائل دنیائے کرکٹ میں اسے دوسرے کھیلاڑیوں سے ممتاز کر دیتا ہے۔ جہاں دنیا سپائیک سٹائل کی دیوانی بن رہی ہے وہاں ملینگا کا ایک " اوور لوڈ ٹرک سے متشبہ ہیئر سٹائل " اسے دوسروں سے منفرد بنا دیتا ہے۔

ویرات کوہلی : انڈین کلاسیک اور سٹار بیٹسمین جسے پاکستانی باولروں کے لیئے اوٹ کرنا ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ کرکٹ میں چرب زبان دکھائی دیتے ہیں خاص کر جب پاکستان کیخلاف میچ ہو تو اسکی زبان کچھ زیادہ ہی مشق میں رہتی دکھائی دیتی ہے۔

مہیندرا سنگھ دھونی۔انڈین کیپٹن مہیندرہ سنگھ دھونی کرکٹ کے میدان میں تو برسوں سے کپتان ہے ہی ، انڈین آرمی نے بھی اعزازی کیپٹن سے نوازا ہے۔مگر اسکی شہرت ایک خاموش کپتان کی حیثیت سے ہے۔ میچ چاہے جیتنا بھی سخت کیوں نہ ہو دھونی کی چہرے سے خفگان کے اثار کبھی دکھائی نہیں دیتے اور نہ ہی میچ جیتنے پر گراونڈ میں اچھل کھود کر اتنی خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور

اکثر ونگ شارٹس بھی دھونی کے حصے میں آتے ہیں۔۔۔۔

شاہد آفریدی۔ پاکستانی آلرونڈر جو ہر پاکستانی کی دل کی دھڑکن ہے، کرکٹ میں شاید ہی دوسرا کھیلاڑی اتنا نام کمائے یا شہرت حاصل کر پائے جتنی شہرت سے اللہ تعالی نے شاہد آفریدی کو نوازا ہے۔ کرکٹ میں شاہد آفریدی بوم بوم کے نام سے مشہور ہے۔ آفریدی کب آئے کب چلے گئے اس کے ٹائم کا بھی پتہ نہیں چلتا مگر جب بھی آتے ہیں انٹری جاندار اور دھواں دار ہی ہوتی ہے۔ آفریدی کبھی چلے یا نہ چلے یہ ایک حقیقت ہے کہ اس نے دنیائے کرکٹ پر راج کیا ہے۔

مصباح الحق : پاکستان کے کامیاب ترین کپتان جسے کئی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اکثریت مسٹر ٹک ٹک کے نام سے یاد کرتی ہے۔ مگر وہ ایک شریف النفس شخص بھی واقع ہوئے ہیں۔ اور کول کیپٹن کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ مصباح الحق کو مرد بحران بھی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ جب بھی بیٹنگ کے لیئے آتے ہیں بہت کم سکور پر چار پانچ کھیلاڑی آوٹ ہو چکے ہوتے ہیں۔ ایسے میں مرد بحران کی یہ خوبی اسے مسٹر ٹک ٹک کی طرف لیجاتی ہے۔

براوو۔۔۔ ویسٹ انڈین آل راونڈر جسے ورلڈ کپ کے لیئے چمپیئن گانے سے شہرت

ملی اور قطرینا جیسے بولی ووڈ سٹار کے ساتھ پرفارم کرنے کا موقع ملا۔ یوں اس کا گانا ہر
ایک کی زبان پر زد عام ہو گیا۔۔۔ براوو واقعی ایک ڈی جے کے طور پر ابھر کر سامنے
"اگئے ہیں کرکٹ کی شوقین دنیا اس کی گانے پر جھومتی رہتی ہے " چمپیئن براوو چمپیئن

پتھر کے زمانہ سے مریخ کے زمانے تک۔۔۔۔

ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں پتھر کے زمانے کا یہ لفظ سنتے آ رہے ہیں کہ۔ یا اگر کسی سیاسی شخصیت کی کوئی تقریر سنے کہ ہم اگر یہ نہ کرتے تو ہمارا ملک پتھر کے زمانے میں پہنچ چکا ہوتا، یہ پتھر کا زمانہ تھا کی۔۔۔۔؟، اسے پتھر کا زمانہ کہتے کیوں ہے۔۔۔ ؟پتھر کو اتنی شہرت کیوں ملی کسی اور چیز کو شہرت کیوں نہ ملی جیسے کہ مٹی کا زمانہ، پانی کا زمانہ، یا ہوا کا زمانہ۔ یا ہیروں اور لوہے کا زمانے کو؟۔۔اپ نے کسی سے یہ نہیں سنا ہوگا کہ ہوا کے زمانے کی بات ہے، یا ہم تو پانی کے زمانے میں آ پہنچے۔ یا لوہے کی زمانے کی بات ہے وغیرہ۔ گو کہ پتھر کے زمانے کے بعد ایسی چند اصطلاح استعمال کی گئی مگر اتنی زیادہ شہرت حاصل نہ کر پائی جتنی پتھر کے زمانے کو ملی

پتھر کو کیوں اتنی اہمیت ملی اور ان سب زمانوں، ادوار میں پتھر کیوں مشہور ہوا۔۔۔۔۔؟؟؟؟؟

تو اس کا جواب یہ کہ انسان اپنا زیادہ تر کام پتھر سے نکالتا تھا، پتھر اسکا بہترین میٹریل تھا۔ سخت چیزوں کے کاٹنے، آگ جلانے، اوزار بنانے اور

اپنی حفاظت کے لیئے پتھر استعمال کرنے پڑتے تھے۔ جب انسانی ارتقاء اس کی ترقی کی رفتار بہت ہی سلو تھی۔ جب اللہ تبارک و رتعالیٰ نے اپنے پوشیدہ خزانوں سے انسان کو لاعلم رکھا تھا۔ اس پر اشکارہ نہیں کیئے تھے۔ تو پتھر کا زمانہ آج سے بیس ہزار سال پہلے کے زمانے کو کہا جاتا ہے۔ جب انسان نے ترقی کے سیڑھی پر قدم نہیں رکھا تھا۔ جس انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنی عقل عطاء نہیں کی گئی تھی۔ اور آسائیشوں سے محروم رکھا تھا۔ گو کہ آہستہ آہستہ آشکارہ کرتا رہا اور زمانوں کی اصطلاح بھی تبدیل ہو تی گئی۔ اپ کو بتاتے چلیں پتھر کے زمانے کے بعد کانسی کا زمانہ آگیا تھا۔۔۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دھاتوں کے علم سے واقف کیا اور کاپر وہ پہلی دھات تھی جسے پگھلایا گیا تھا۔۔۔۔

انسان پتھر کے زمانے میں ماچس، لائٹر سے ناواقف تھا، اسے معلوم ہوا کہ دو پتھروں کے رگڑنے سے چنگاریاں پیدا ہو کر آگ جلاتی ہے۔ انسان کے پاس جب پستول، چاقو چھری نہیں تھی جب کسی وحشی درندے سے سامنا ہوا تو پتھر کو اوزار کے طور پر استعمال کیا، پتھر کے زمانے میں انسان کے باقاعدہ گھر بھی نہیں تھے، وہ جنگلوں میں گھومتے رہتے، پودے اور جانور کھاتے۔ سٹون ایج کے انسان میں آرٹ کی خوبی بھی پائی گئی۔ اور اس کے غاروں میں بنائے گئے پناہ گاہوں کے دیوار پر آڑھے ترچھے لکیرے بنائے گئے ہوتے۔ جسے

ماہرین کی طرف سے مذہبی عقیدت سے جوڑا جاتا ہے۔ بیماریوں کا علاج جڑی بوٹیوں سے کرتا۔۔۔

بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق آج سے چالیس ہزار سال پہلے انسان نے ایک نئے انداز سے جینے کا سوچا، جنگلات کی کٹائی شروع کی، زراعت شروع کی اور جدید انداز سے رہنا شروع کیا۔ اور پتھر کے زمانے سے نکلنا شروع کیا۔ بی بی سی برطانیہ کے لوگوں کو وہ پہلے لوگ گردانتے ہیں جنہوں نے جدید تہذیب کی بنیاد رکھی۔

پتھر کا زمانہ یکدم ختم نہیں ہوا تھا، جوں جوں انسانی ترقی کی رفتار تیز ہوتی گئی، انسان کا پتھر سے واسطہ بھی دور ہوتا گیا۔ مختلف علاقوں کے لوگ مختلف ادوار میں پتھر کے زمانے سے نکلے اور ترقی کرتے گئے۔ مکمل پتھر کا زمانہ تقریبا تین اعشاریہ پانچ ملین سال رہا۔ اسکے بعد انسان کو اللہ کی طرف سے پوشیدہ خزانوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ملی۔ دھیرے دھیرے پتھر کے زمانے سے نکلنا شروع کیا۔ دھاتوں سے واقفیت اور اس کے پگھلانے سے حاصل ہونے والے فوائد کا پتہ چلا۔ اس نے کاشتکاری کے طریقے سیکھے، اس کے لیئے آلات بنائے۔ تن کو ڈھکنے کے لیئے مناسب کپڑے پہننے شروع کیئے۔ آج انسان ترقی کے منازل طے کرتے کرتے چاند، مریخ کے زمانے تک آ پہنچا ہے۔ گلو

بل ویلیج کے فیشن ایبل لفظ سے متعارف ہو چکا ہے۔ دیکھتے ہے یہ انسان کتنا اور چلتا ہے اوراللہ تعالیٰ کیطرف سے اسے اور کتنے اپنے پوشیدہ خزانوں کے کھوج لگانے اور معلوم ہونے کی کامیابی ملتی ہے۔

کہنے کو تو سٹون ایج ختم ہو چکا ہے لیکن آج بھی انسان اسی کھانے کے لیئے دوڑ رہا ہے۔ دنیا کی ۳۴ فیصد آبادی بھوک کے ہاتھوں مر رہی ہے، دنیا کی پچانوے فی صد دولت ۵ فی صد کوگوں کے پاس رکھی ہے۔۔۔ سٹون ایج سے نکل کر انسانیت کا زمانہ بھی ہم سے نکل گیا۔ وہی انسان جو پتھر کو ہتھیار بنا کر جانوروں سے اپنی حفاظت کیا کرتا تھا آج لوہے کو ہتھیار بنا کے اپنے جیسے انسان سے حفاظت چاہتا ہے۔ ترقی کے لحاظ سے تو ہم پتھر کے زمانے سے نکل کر مریخ تک جا پہنچے ہیں مگر اخلاق و ادوار کے لحاظ سے ہم پتھر کے زمانے سے بھی نیچے چلے گئے ہیں۔ اس میں ترقی نہیں کی۔

موٹر کاروں کی دنیا۔۔۔۔

انسان اپنی آسائش اور وقت کی رفتار سے چلتے رہنے کے لیئے نت نئے ایجادات کرتا چلا آرہا ہے۔ ان میں سواری سے متعلق آسائش پیدا کرنے پر بھی خصوصی توجہ دی گئی۔ جانوروں پر سواری کے زمانے سے نکل کر تیز ترین طیاروں کی دنیا تک نکل آیا ہے۔ موٹر کار زندگی کی اہم ضرورت تصور کی جاتی ہے۔ اور سواری کا ایک اہم اور آرام دہ ذریعہ ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق دنیا کے ہزار میں سے ایک سو اڑتالیس لو گوں کے پاس ذاتی سواری ہے۔ اور ایک بلین سے زیادہ کاریں دنیا کے سڑکوں پر دوڑتے رہتے ہیں۔

سب سے لمبی گاڑی۔

سو فٹ لمبی لیمو سائن کو دنیا کی سب سے لمبی گاڑی کا اعزاز حاصل ہے۔ لیمو سائن نامی گا ڑی کو نوے کے دہائی میں بنایا گیا تھا، جئے اوہبرگ اسکے گردانے جاتے ہیں۔ لیمو سائن نامی گاڑی کے چھبیس پہیئے ہوتے ہیں۔ یہ بات حیران کر دینے والی ہے کہ لیمو سائن گاڑی میں ایک سوئمنگ پول، ایک بڑا بیڈ، اور ایک ہیلی پیڈ بھی ہے۔ اب ظاہر ہے اتنی بڑی کار کو خرید کر کسی نے کیا کرنا ہاں البتہ فیملی پلاننگ نہ کرنے والے اس بارے میں سوچ سکتے ہیں۔

فی الحال یہ فلموں میں استعمال کے مقاصد اور تفریح کے لیئے استعمال کی جاتی ہے جسکے گھنٹوں کے حساب سے چارجز لیئے جاتے ہیں۔

سب سے چھوٹی گاڑی۔

لمبی گاڑی بنانے کی وجہ کچھ نہ کچھ تو سمجھ آتی ہے مگر بہت ہی چھوٹی گاڑی بنانے کی وجہ سمجھ نہیں آتی۔ پیل پی سیکسٹی دنیا کی چھوٹی ترین گاڑی تصور کی جاتی ہے جسے انیس سو پھینسٹھ میں پیل انجنیئرنگ کمپنی نے بنایا تھا۔ یہ گاڑی تین پہیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور اب تک کی سب سے مختصر ترین گاڑی کا اعزاز برقرار رکھ پائی ہے۔ مگر اس گاڑی کی وزن تقریبا ساٹھ کلو گرام ہے۔ اور اونچائی سو سینٹی میٹر ہے۔ اس میں ایک آدمی کے بھیٹنے کی گنجائش ہے۔

زیادہ استعمال ہونی والی گاڑی۔

ٹویوٹا کرولا کو سب سے زیادہ استعمال ہونے والی گاڑی تصور کیئے جاتے ہیں۔ آج سے دو سال پہلے کی ایک رپورٹ میں انیس سو چھیاسٹھ سے لیکر دو ہزار تیراہ تک چار کروڑ یونٹس فروخت ہوئے ہیں، جو کسی اور کمپنی کے اب تک فروخت نہیں ہوئے۔

سب سے مہنگی گاڑی۔

انیس سو باسٹھ کو اب تک کی سب سے مہنگی ترین گاڑی مانا جا Ferrari 250 GTO, تا ہے۔ جسکی مالیت چونیتس ملین ڈالر بتائی گئی ہے۔ لیمبو رگنی کی گاڑیاں بھی مہنگی ترین گاڑیاں تصور کی جاتی ہے۔ ان کی قیمت بھی کئی ملین ڈالر میں بتائی جاتی ہے۔

سب سے سستی گاڑی۔

ٹاٹا نانو" گاڑی جو حال ہی میں بھارت میں تیار کی گئی ہے کو دنیا بھر میں سستی ترین" گاڑی مانا جاتا ہے۔ یہ دو ہزار تیراہ میں تیار کی گئی اور دو ہزار چودہ میں منظر عام پر لا ئی گئی۔ ٹاٹا نانو کی ابتدائی قیمت دو لاکھ روپے رکھی گئی، جس میں سیکنڈ ہینڈ گاڑی بھی مشکل سے ملتی ہے۔ یہاں چار لوگوں کے لیئے نئی نویلی کمپنی گاڑی مل رہی ہے۔

سوچیئے ذرا۔۔۔ اور بدل ڈالیئے اپنے آپکو

RESCUE 1122۔۔۔۔ انسانیت کے خدمت کے جذبے سے سرشار، انسانیت کو کسی ناگہانی آفت میں ابتدائی طبّی امداد دینا، مناسب مدد فراہم کرنا، مصیبت سے نکال کر راحت پہنچانا اور اپنی استعداد میں رہ کر اسکی ہر ممکن مدد کرنا اس اہم ادارے کا کام اور مشن ہے۔۔۔۔

بد قسمتی سے اس اہم ادارے جس کا کام انسانیت کو زیادہ نقصان سے پہنچانا، اس کی تکلیف کو کم سے کم کرنا ہے اور مصیبت کی گھڑی میں ایک فون کال سے اسکی امداد کو پہنچنا ہوتا ہے کو ہماری طرف سے سالانہ کے حساب سے دو تہائی جعلی کالز جعلی یعنی " Fake Calls" موصول ہو رہے ہیں۔ اپ سن دو ہزار اٹھ کا ڈیٹا نکال کر دیکھئے، اسی سال نو اعشاریہ آٹھ ملین جعلی کالز اس امدادی ادارے کو موصول ہوئیں۔۔۔۔۔۔ زیادہ دور کے ریکارڈ کی چھان بین نہیں کرتے صرف فروری دو ہزار سولہ، صوبہ خیبر پختون خواہ کیریسکیو ادارے کا ریکارڈ کو نکال کر دیکھئے۔ صوبہ خیبر پختون خواہ کے RESCUE 1122 کو فروری کے مہینے میں کل ستاسی ہزار کالز موصول

ہو ئی جس میں سے اٹھاون ہزار جعلی کالز نکلی۔ ان جعلی کالز جسے فیک کالز کہا جاتا ہے میں صوبہ خیبر پختون خواہ سب سے آگے ہے۔

پنجاب کی ریسکیو سروس ملک کی سب سے بڑی سروس ہے جسے دو ہزار چار میں قائم کیا گیا۔ اب تک چالیس لاکھ سے زائد لوگ اسکے بروقت امداد سے مستفید ہو چکے ہیں۔ مگر یہاں پر بھی چار ہزار کالز جعلی موصول ہو ئی ہیں۔۔۔۔

کیا ہم اور آپ نے کبھی سوچا ہے ہماری "لذت سے بھرپور" اس حرکت کا کتنا اثر ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟؟؟؟

کیا جعلی کال کرتے وقت ہم نے اور آپ نے کبھی سوچا ہے کہ ہماری اس شرارت سے کوئی حقیقی مصیبت زدہ امداد سے محروم ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔۔۔؟

ان سے ریسکیو ایک سو بائیس کے اہلکاروں کا کام کرنے کا شوق، اخلاص، ماند پڑ سکتا ہے۔ جس کا اکثر وہ گلہ کرتے نظر آتے ہیں۔

ہاں اپ کے ان جعلی کالز کی وجہ سے کسی مصیبت زدہ کو سخت نقصان پہنچ سکتا ہے۔ خدنخواستہ کل کو اپ بھی حقیقی مصیبت مبتلا ہو سکتے ہیں اور نا قابل اعتبار بن سکتے ہیں۔

ملکی وسائل کا ضیاع ہو سکتا ہے۔ ملکی مشینری، افرادی قوت کے ساتھ مذاق ان کے حو صلے، جوش و جذبے پر اثر پڑ کر ادارہ کی فعالیت کم ہو سکتی ہے، جس کا اثر سارے معاشرے پر پڑ کر لوگوں کی ایک کثیر تعداد متاثر ہو سکتی ہے۔

"شیر آیا شیر آیا" والی کہانی اپکو یاد ہو گی۔۔۔۔ جو ایک بکریاں چرانے والا لڑکا روزانہ اپنے شرارت سے گاوں والوں کو بے وقوف بناتا، کہ شیر آیا مجھے اور میرے بکریوں کو بچاؤ، گاوں والے اسکی مدد کو پہنچتے تو وہ ہنسی سے لوٹ پھوٹ کر انہیں کہ دیتا کہ میں تو شرارت کرکے مزے لے رہا تھا اور ایک دن اچانک سچ مچ شیر آ کر اس کے بکریوں کو نوش کر گیا وہ چلاتا رہا مگر لوگ اسے اسکی شرارت ہی سمجھ بیٹھے تھے۔

بد قسمتی ہماری یہ ہے کہ ہم سہولیات کے فقدان کا تو گلہ کرتے نہیں تھکتے مگر جب سہولت مل جاتی ہے تو اس سہولت کے ساتھ مذاق کرتے نظر آتے ہیں۔ کیا ہم اتنے فا رغ لوگ ہے کہ جان بچانے کی کوشش کرنے والے ادارے سے بھی مذاق کر رہے ہیں۔ کیا ہم میں اتنا شعور بھی نہیں کہ ہمارے اس دو گھڑی کے مذاق سے ایک ضرورت مند بروقت امداد سے محروم بھی ہو سکتا ہے۔؟

ہم اس قسم کے تعاون میں پیچھے ہے۔ ہماری ترقی نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی

ہے کہ ہم نعمت کا غلط استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔
لہٰذا آؤ ابدل ڈالیں اپنے اپکو، اپنی سوچ کو۔ اور اس تبدیلی سے اپنے اپکو، اپنے ملک کو، اور اس کے باشندوں کو فائدہ پہنچائیں۔ اپنے ملک کے اداروں کے ساتھ تعاون کریں۔ اور اس پیارے ملک پاکستان کے پیارے باشندوں کو امن، پیار، محبت اور رواداری دیں۔ اور ان کو تکلیف سے بچانے میں مدد دیں۔

کرکٹ کی چند دلچسپ اصطلاحات۔۔۔۔

کرکٹ دنیاکا دوسرا پسندیدہ ترین کھیل ہے۔ کرکٹ کی ابتداء آج سے قریبا ایک سو چالیس سال قبل ہوئی۔ گو کہ کرکٹ ایک دلچسپ کھیل ہے اس لیئے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو اپنا گرویدہ بناتا گیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ نت نئے تجربات نے کافی حد تک اس کھیل کو دلچسپ بنایا۔ کرکٹ کا سب سے دلچسپ مرحلہ چار سال بعد عالمی کپ کی صورت میں دیکھنے کو ملتا ہے جہاں دنیا کی صف اول کی ٹیمیں آپسمیں نبرد آزما ہو کر ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی تگ و دو میں ہو تی ہیں۔ اور عالمی چمپیئین کے اعزاز کے لیئے معرکہ آرا ہو تی ہیں۔

کرکٹ سے تھوڑی بہت دلچسپی رکھنے والوں کے لیئے کرکٹ کی بنیادی باتوں، قوانیں اور اصطلاحات سے تھوڑی بہت واقفیت ضرور ہو گی مگر کرکٹ کی اصطلاح میں چند ایسی دلچپ اور حیرت انگیز اصطلاحات بھی موجود ہیں جو یقینا دلچسپی سے خالی نہیں۔

نیلسن نمبر۔۔۔۔ اگر کبھی کمینٹری غور سے سنی ہو تو جب کسی ٹیم کا سکور ایک سو گیارہ پر پہنچ جاتا ہے تو کومینٹیٹر کہتا ہے " oh its a Nelson number " بعض ٹیمیں اس ہندسے کو منحوس تصور کرتے ہیں کہ کہیں وکٹ کھو نہ دیں۔ اور

کوشش یہی ہوتی ہے کہ سکور کرتے وقت سکور ایکسو گیارہ پر رک نہ جائے۔ اصل میں یہ کہانی بتائی جاتی ہے یہ ہندسہ ایڈمیرل لارڈ نیلسن کے نام پر دیا گیا ہے۔۔ اور نیلسن صاحب کے بارے میں آتا ہے کہ اسکا ایک ہاتھ، ایک پاؤں نہیں تھا۔ اور ایک آنکھ سے بھی معذور تھا۔ اور اسی حالت میں کھیلتا بھی تھا۔ ایک اور دلچسپ بات معروف امپائر ڈیوڈ شیپرڈ اپنے دونوں پاوں کو بیک وقت کرکٹ گراونڈ پر نہیں رکھتا تھا اور ایک پاوں اٹھائے کھڑا رہتا تھا جب سکور ایک سو گیارہ پر پہنچ جاتا۔۔۔

ڈیول نمبر۔ کرکٹ میں توہم پرستی پائی جاتی ہے۔ خاص کر آسٹریلین کرکٹر جب کبھی ایسے نمبر پر پہنچ جاتے ہیں جو سو سے تیراہ نمبر پیچھے ہو مثلا ستاسی، ایک سو ستای، دو سو ستاسی۔۔۔ یہ ہندسہ وہ منحوس سمجھتے ہیں۔ اور اس کی ایک کڑی وہ انس سو ستاسی انگلینڈ کے خلاف ٹیسٹ سیریز میں شکست سے بھی ملاتے ہیں۔۔۔ 1987

دوسرا۔۔۔۔۔ یہ اردو اصطلاح ہے۔ اور یہ سوئینگ کرتی گیند کی ایسی قسم ہے جب گیند کی سوئینگ کرنے کی ڈائیریکشن آتے ہوئے ایک طرف ہو اور وہ زمین سے ٹپہ کھا کر اسکے مخالف سمت سوئینگ کر جائے۔ ماہرین پاکستانی سپنر ثقلین مشتاق کو دوسرا کا موجد گردانتے ہیں۔ سری لنکن سپینر متیاہ مرلی دھرن کمال

حد تک دوسرا گیند کرتے تھے۔

(ڈک ورتھ لیوس۔ (ڈی ایل

گوگلی۔۔۔جب کوئی لیگ سپینر بال اچانک اچھل کر آف سپین بال میں تبدیل ہو جائے تو گوگلی بال کہا جاتا ہے۔اسے بوسی بال بھی کہتے ہیں کیونکہ بوسن کوئیٹ نامی کرکٹر نے اسے ایجاد کیا تھا۔ پاکستانی سپینر عبدالقادر کو گوگلی پر کمال حاصل تھا۔

کیچ پچ۔۔۔ کرکٹ کے لیئے جو بائیس گز صاف اور سخت حصہ بنایا جاتا اسے پچ کہا جاتا ہے۔ کیچ پچ سے مراد ایسی پچ نہیں جس پر گو بھی وغیرہ اگائے گئے ہو یا گو بھی کے کھیت پر پچ بنائی گئی ہو۔ کیچ پچ سے مراد ایسی پچ ہوتی ہے جو بیٹنگ کے لیئے انتہائی نا سازگار ہوتی ہے اور نشیب و فراز پائے جاتے ہیں۔ ایسی پچ پر بیٹسمین انجری کا شکار ہو سکتے ہیں۔ اور باونسر سے بچنے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں۔

بیٹ کیری۔۔۔ کرکٹ کی اصطلاح ایسے بیٹسمیں کی لیئے استعمال کی جاتی ہے جو گراونڈ سے بغیر آوٹ ہوئے پورے پچاس اوور کھیل کے لوٹے۔ ایسے میں بیٹسمیں واقعی داد کا مستحق ہوتا ہے، مگر پورے پچاس اوور کھیل کر آئے اور میچ بھی

ہارے تو ایسے بیٹسمیں کی کو کوئی اچھی نظروں قطعاً نہیں دیکھتا۔ ایسے میں جب میچ بھی نہیں جیتا اور بیٹ کیری ہو رہی ہو جا رہا تو ہو شیار اور چالاک بیٹسمین اپنا کام کرکے آؤ ٹ ہو جانے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں۔

کاؤکارنر۔۔۔۔ کرکٹ کے میدان میں بعض جگہوں پر نسبتا کم بیٹسمین بال بیٹ کرتے ہیں۔ تو ایسے جگہوں کو کاؤکارنر کا نام دیا جاتا ہے۔ یعنی رنز تو وہاں کم ہی بنتے ہیں گویا وہاں گائے آرام سے چر رہی ہے اور مداخلت سے ڈسٹرب نہیں ہو رہی۔ ڈنکی

ڈراپ۔۔۔۔ لیگ کی طرف آنکھیں بند کرکے لیگ سائڈ کی جانب جو شارٹ کھیلا جاتا ہے۔ اسے کاؤشاٹ کہا جاتا ہے۔

ریبیٹ۔۔۔ کرکٹ میں یہ اصطلاح ایسے کھیلاڑی کے لیئے استعمال کی جاتی ہے جو عموما بیٹنگ نہیں کرسکتا اور آخری نمبر یعنی گیارھویں نمبر پر بیٹنگ کے لیئے بھیجا جاتا ہو۔ اگر اب بھی کنفیوژن ہو رہی ہو تو لمبو ترے پاکستانی باولر عرفان کو دیکھ کر آسانی سے یہ اصطلاح سمجھ سکتے ہیں۔ جس نے کئی نازک مواقع پر بیٹنگ کرتے وقت ہمارے دل کی دھڑکنوں کو بے قابو کیا۔ اور نتیجتا آؤٹ ہی ہوئے۔

میرا پاکستان کیسا ہو۔۔۔۔۔۔؟

میرے وطن پر اترے ہوئے فصل گل اور ان کو اندیشہ زوال۔۔۔

تاریخ کے اوراق پلٹنے سے ماضی کے جھروکوں سے ہمیں ایک بھیانک حصہ بھی ملتا ہے جب انگریزوں کی چال اور ہندوؤں کے متعصبانہ رویئے سے تنگ آ کر پاک لوگوں نے ایک پاک وطن کا سوچا اور آزادی کے لیئے اکھٹے ہو کر اپنے لیئے ایک الگ وطن کا مطالبہ کر دیا۔ کئی دہائیوں کی کوششوں سے ، اور لا تعداد قیمتی جانوں کے نذرانوں سے ایک پاک وطن کی بنیاد رکھی گئی اور خشکی کے ایک چھوٹے ٹکڑے پر دو الگ الگ قومیت کا وجود ظہور میں آیا۔

چودہ اگست، ستائیس رمضان المبارک کی وہ بابرکت رات جس میں اللہ تعالی کی مہربانیاں کھل کر سامنے آگئیں اور پاکستان کا انعام دیا۔ مگر ہندوؤں کو کیسے گوارا ہوتا کہ مسلمان سکھ کا سانس لیکر جینا شروع کر دیں۔ یہاں پر تاریخ نے ایک سیاہ باب رقم کرکے ہندووں کا بھیانک چہرہ بھی محفوظ کر لیئا۔ جب آزاد وطن ، پاک وطن کے طرف ہجرت کرنے والوں پر ہندووں نے مظالم کی انتہا کر دیئے۔۔۔۔ لٹے پٹے قافلے پاکستان میں داخل ہوتے گئے اور اپنے

آنکھوں میں مستقبل کے نجانے کتنے خواب، کتنے آرمان سجائے داخل ہوئے۔ اور سب سے پہلے جو احساس ہوا ہوگا وہ یقینا تحفظ ، سکون اور امن کا احساس ہوگا کیونکہ وطن کی مٹی ماں کی گود جیسی ہوتی ہے، خطرہ چاہے جتنا بھی بڑا ہو ماں کی گود میں آکر تحفظ ہی محسوس کرتا ہے۔ یقینا میرے بزرگوں نے بہت بڑی قربانیاں دی ہیں، انہوں نے بھی پاکستان کا ایک خواب دیکھا ہوگا، یہ لٹے پٹے قافلے، شہیدوں کے قافلے، قربانیوں کے قافلے، پاکستان کا تصور لیئے سوچا ہوگا کہ ہمارا پاکستان کیسا ہونا چاہیئے۔ ان میں بہت سے اکابرین بھی تھے ، جنہوں نے اپنے نئی نسل کے پود کو اپنی تحریروں، نظموں، شاعری سے بیش بہا معلومات دی، ان کی تربیت کے لیئے بہت کچھ لکھا اور آنے والے خطروں سے باخبر بھی رکھا۔۔۔۔ اور انہیں ایک آئیڈیل پاکستان کی پہچان بھی دی جسکا تصور آج بھی ایک پاکستانی شہری چاہتا ہے ، میں بھی پاکستان کا شہری ہو میں بھی اپنے ملک کو دنیا کی ممالک میں آگے ہی دیکھنا چاہتا ہو۔ میں اپنے ملک کو کیسا دیکھنا چاہتا ہوں، موجودہ حالات کے تناظر میں یہ بحث نہایت ہی مشکل ہے مگر میرے ملک کی کیا خوبیاں ہیں جس سے ہم بے خبر ہیں آئیں ان سے باخبر ہو جانے کی کوشش کریں کہ ہم کیسے ترقی کر سکتے ہیں۔

میرا ملک انہتر سال کا ہو چکا ہے، اسکی تریسٹھ فی صد آبادی پچیس سال تک کے نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ ہمارے اکابرین نے اپنی، شاعری میں نوجوانوں کو

ہی مخاطب کیا تھا، کیونکہ نوجوان امنگوں، جوش و جذبے سے بھرپور ہوتے ہیں اور ان سے ملک کا مستقبل وابسطہ ہوتا ہے۔ نوجوان ہی ملک کا سرمایہ ہوتے ہیں۔

میرے نوجوانوں کی طاقت سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے، انہیں تعلیم کے مواقع فراہم کرکے اعلیٰ تعلیم کے لیئے راہیں آسان بنادی جائیں، پاکستان کی سالانہ تقریبا ساڑھے چار لاکھ طلباء یونیورسٹیوں سے گریجیوٹ ہوتے ہیں۔ یہ تعداد بہت کم ہے۔ اسکو کئی گنا بڑھا سکتے ہیں اگر ان کے مسائل حل کیئے جایئں جیسے کہ معاشی مسائل وغیرہ۔

خواتین کی اعلیٰ تعلیم آسان بنانے کے لیئے الگ یونیورسٹیوں پر توجہ دینی ہوگی۔ ملک میں ٹیکنکل تعلیم کو عام کیا جائے تو تعلیم کے ساتھ ساتھ روزگار کے چانسز بھی کافی حد تک بڑھ جاتے ہیں۔ ان تریسٹھ فی صد شاہینوں کو بھرپور مواقع فراہم کئے جایئں، انہیں اقبال کا محبوب و پسندیدہ بنا کر ستاروں پے کمنڈ ڈالنے کا موقع فراہم کیا جائے، دنیا کے ماڈرن علوم حاصل کرکے دنیا سے مقابلہ کیا جائے، نالج پارک، اور آئی ٹی پارک جیسے منصوبے پاکستانی کے نوجوانوں کو ایک بہترین راہ پر ڈال سکتے ہیں، ان کی استعداد سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

میرا پاکستان کسی بھی لحاظ سے باہر کی دنیا سے کمزور نہیں، ہاں البتہ ہم

اندر سے جانے انجانے میں اسکو کمزور کر رہے ہیں، میرے پاکستان کے خوبصورت شہر جو کبھی پھولوں کے شہر ہوا کرتے تھے، آج دنیا کے آلودہ ترین شہر (پشاور) بنا دئے گئے، کس نے بنائے؟؟؟؟ ہماری ہی غفلت کی وجہ سے بن گئے۔ صفائی جو کہ اسلام ہی کا شعار ہے آج آغیار نے شیوہ بنا لیا ہے اور دنیا کا صاف ترین شہر کے ایوارڈ کینیڈا جیسے ممالک لے رہے ہیں۔ ہم کم از کم گندگی کو نہ پھیلانے میں مدد تو کر سکتے ہیں نہ۔۔۔۔۔ کوڑا کرکٹ ٹھکانے لگا کر ماحول کو آلودہ ہونے سے بچا تو سکتے ہیں نہ۔۔۔۔ میرا پاکستان خوبصورت بنا سکتے ہیں۔ حفظان صحت کے اصولوں کے مطابق کام کرکے اپنے دیس کے اور اس کے شہریوں کو آلودگی سے بچا سکتے ہیں۔

میرے پاکستان میں چند دہائی پہلے، ممالک تربیت لینے آتے تھے۔ اسکی شہروں کے نقشے ماڈل کے طور پر لیجاتے تھے جیسے ساوتھ کوریا نے کراچی کا نقشہ ماڈل لیا ہوا تھا، جیسے اسکے جہاز دنیا کے نمبر ایک جہاز ہوا کرتے تھے، میرے وطن کے لوگ دنیا کو جہازوں کے بارے میں تربیت دیتے تھے، مگر ہم آہستہ آہستہ بے حس ہوتے گئے اور اسی ہی کو کمال سمجھ کر اسی پر اکتفا کر لیا اور اقبال کے اسباق بلاتے گئے۔ اقبال نے برسوں پہلے ہماری تن آسانی سے گلہ شکوہ کیا تھا، ہم نے سمجھا ہی نہیں اور آج گرتے چلے جا رہے ہیں۔ آج ہم پستی کی طرف گرتے چلے گئے، اور ہمارے تقلید کرنے والے اونچائی کی طرف پرواز

کرتے گئے۔ اقبال نے توہمیں "ستاروں سے جہاں اور بھی ہے" ڈھونڈ نکالنے کا کہا تھا۔

میرے پاکستان کی سونی دھرتی، زراعت کے لیئے نہایت ہی موزوں ہے، ہمارا نہری نظام بہترین نظام میں شمار کیا جاتا ہے، ہم پڑوسی ملک بھارت کی مثال لے سکتے ہیں۔ جس نے بنجر پنجاب کو زرخیز پنجاب میں تبدیل کیا اور ملک کے بیس سے زیادہ صوبوں کو گندم فراہم کرتا ہے۔ ہمارے آبادی ستر فی صد آبادی زراعت سے منسلک ہے اس آبادی کی بہتر سائنسی بنیادوں پر تربیت کرکے ہم اپنی آبادی دو وقت کی روٹی میسر کر سکتے ہیں۔ان کی آمدنی بڑھا سکتے ہیں۔ کسانوں سے ٹیکس ختم کرکے انہیں خوش کرکے تندہی سے کام کرنے دینے سے آمدنی میں اضافی کیا جا سکتا ہے، اور ملکی پیداوار بڑھائی جا سکتی ہے۔

ہم سوئٹزرلینڈ کی مثال لے سکتے ہیں جو ایک چھوٹا ملک ہے اس کی تقریبا ساری آمدنی سیاحت کی فروغ پر سے حاصل ہوتی ہے، دنیا کی سب سے بڑی پھولوں کی مارکیٹ وہاں ہے اور خطیر آمدنی حاصل ہوتی ہے، ہمارے ہاں چار موسم ہے، ہر ایک موسم ایک اپنی ہی ایک حسین رت ہے۔ ہم بھی اپنے حسین علاقوں کی سیاحت کو فروغ دیکر اس کے لیئے ایک علیحدہ انٹرنیشنل چینل بنا کر دنیا پر اپنی خوبصورتی آشکارا کر سکتے ہیں، دنیا کی نظر میں اپنا تاثر بہتر بنا سکتے ہیں۔

میرا ملک، میرا وقار، میرا پہچان، پاکستان دنیا کی اس خطے میں واقع ہے جہاں دنیا ایک خواب ہی دیکھ سکتی ہے۔آپ چائینہ پاکستان اقتصادی راہداری کی مثال لیں۔چائینہ گوادر تک پہنچنے لیئے دنیا بھر سے رابطے میں رہنے کے لیئے پاکستان کی سرزمین استعمال کرنے پر مجبور ہے۔جس سے پاکستان کو بیش بہا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔پاکستان کا یک پورا بجٹ اس راہداری کے کامیاب تکمیل سے پورا ہو سکتا ہے۔مگر ہمیں دشمن کی چال پر یہاں بھی نظر رکھنی ہو گی۔اور ہمیں پاکستان کے سارے صوبوں سے انصاف بھی کرنا ہو گا۔ان کو پورے حقوق دلوا کر ہماس راہداری کو کامیاب بنا سکتے ہیں۔ایک روشن پاکستان کا خواب شرمندہ تعبیر ہوتے دیکھ سکتے ہیں۔

پاکستان کو لوڈشیڈنگ اور انرجی کرائسس جیسی ترقی کا پہیہ جام کرنے والے مصیبتوں کا سامنا ہے مگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسکا حل بھی اس سرزمیں کی گود میں ہی رکھا ہے۔دوسرپڑوسی ملک چائینہ دنیا کی پہلی قوم ہے جو سولر انرجی سے 38000 میگا واٹ بجلی پیدا کر رہی ہے۔اسی طرح کوریا اور جاپان بھی 25000 میگا واٹ سے زائد بجلی حاصل کر رہی ہے۔ان سب کی محل وقوع ایسی جگہ ہے جہاں سورج کی روشنی 1900 گھنٹے سالانہ ہیں۔اب اللہ تعالیٰ نےہمیں

ایسی محل وقوع دی ہے جہاں سورج کی روشنی ان ایشیائی ممالک میں سب سے زیادہ ہے یعنی 2100 گھنٹے سالانہ۔ ہم سولر انرجی سے بہترین فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اسے طرح ونڈ انرجی کے لحاظ سے بھی پاکستان بہترین ہے۔ جس سے ہم کافی حد تک توانائی بحران سے نجات پا سکتے ہیں۔

پاکستان شمسی توانائی آلات بنانے والے کمپنیوں کیلئے جنت سے کم نہیں ہو سکتا۔ پاکستان سولر ٹیکنالوجی میں ماہر سپین، چین، امریکہ، آسٹریلیا جیسی ممالک کی کمپنیوں کو یہاں موقع دے سکتا ہے اور کامیاب بزنس پارٹنر بنا کر اپنا یک اچھا تاثر بنا سکتا ہے۔

آج پاکستان کو سیکورٹی جیسے سخت حالات کا سامنا ہے۔ ہم نے اپنے دشمن بھی پہچان لیئے ہیں۔ ہمیں برادر پڑوسی ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات کو بہتر سے بہتر بنانا ہو گا، ان کے ساتھ ہمارے وسیع سرحدیں ہیں، ان سرحدوں کو بھی ان کے ساتھ مظبوط اور خوشگوار تعلقات قائم رکھ محفوظ بنایا جا سکتا ہے۔ اسلامی ممالک کی نظرین پاکستان پر ہی آکے ٹکتی ہے، پاکستان کو آگے آکر ایک مضبوط عالمی اسلامی بھائی چارہ کا لیڈر بن کے ابھرنا ہو گا۔ اور سب کو ساتھ لیکر چل کر اسلامی ممالک کے اپنے کھوئے ہوئے مقام کو واپس دلا کر دنیا پر اسلامی بھائے چارے کو واضح کرکے اپنی پوزیشن ماننی ہو گی۔ اسی میں

ہماری اور اسلامی ممالک کی بقاء ہے۔ ورنہ اغیار ہمیں پاش پاش کرنے میں مصروف ہیں۔

ان ساری باتوں کی باوجود اگر امن نہیں تو پاکستان ترقی نہیں کر سکتا۔ پاکستان کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ہم دنیا کے محتاج نہیں، ہاں دنیا ہماری محتاج ہے، دنیا کی گزرگاہ، رسد گاہیں ہم ہی سے ہوتی آئی ہیں۔ پاکستان کی ایک ہاں بھی قوموں کی تقدیر بدل سکتی ہے، ایک ناں قوموں کو رلا بھی سکتی ہے۔ پاکستان نے اپنے اپکو سپر پاور کہلائے جانے والوں کو بھی نیست و نابود کیئے رکھا اور آج بھی بہت سو کو پھنسائے رکھا ہے۔

ہمارے پاس بہترین افواج ہے، اجس کے شانہ بشانہ عوام کھڑے ہیں، امن قائم ہو سکتا ہے مگر خوددار، پر اعتماد لیڈر شپ سے۔

ہم واقعی سازشی دور سے گزر رہے ہیں، ہمارے خلاف دنیا اکھٹی ہو چکی ہے، ہم پھنس تو چکے ہیں مگر وہ چیزیں جو ہمیں اس گرداب سے نکال سکتی ہے وہ ہمارا بھائی چارہ، یگانگت ملی یکجہتی ہی ہے، پاکستان ایک جسم، صوبے اسکے پانچ بڑے اعضاء، ان کے درمیان، بہترین رابطہ اور بھائی چارہ ہی ہمیں طاقت دلا سکتا ہے، اور یہ بھائی چارہ آسانی سے تب بنایا جا سکتا ہے جب اسکے صوبوں کو یکساں نظر سے دیکھا جائے، حقیقی صوبائی خود مختاری ہی ہمیں جوڑے رکھ سکتی

ہے۔ ہمیں یہ یاد رہے پاکستان مٹنے کے لیئے کبھی نہیں بنا، یہ ابھرنے کے لیئے ہی بنا ہے، ہاں ہم سے ہماری ضمیر کی عدالت میں پوچھ گچھ ہو گی کہ ہم نے کیا کیا اس پاکستان کے لیئے، ہم نے پاکستان کے بنانے میں کتنی محنت کی، ہم نے پاکستان کو کیسے دیکھا، ہم نے اپنی آنکھ میں پاکستان کو کیسا دیکھنا تھا اور اس کے لیئے کیا کیا۔

اگر ہم نے اپنے وطن اپنے گھر کو پہچانا تو ہم دنیا پر حکمرانی کے لیئے تیار بیٹھے ہیں۔ جو کبھی شاعر فرماتا تھا اور دعا میں " فصل گل " مانگا کرتا وہ بھی اللہ سبحان وتعالی نے ہمیں کئی اشکال میں دیا۔۔۔ ہم کیا کچھ نہیں رکھتے، خزانوں سے مالا مال زمیں (اٹھاروں نمبر نیچرل ریسورسز میں)، ایٹمی قوت (واحد اسلامی ملک) ، بہترین افواج، بہترین دماغ ارفعہ کریم، علی معین نوازش) ، سولر پلانٹس کے جنت نظیر وطن جس میں 21000) گھنٹے سالانہ روشنی پڑتی ہے، کوئلے کے نا ختم ہونے والے ذخائیر (پانچ سو سال تک) ، سب سے زیادہ یوتھ پاور رکھنے والا ملک (63 %) ، گوادر کی گہری ترین بندرگاہ جس کو کوئی ملک صرف حسرت کی نگاہ ہی سے دیکھ سکتا ہے۔ بہترین ٹیلنٹ (ساتویں نمبر پر بہترین ڈاکٹر، انجنئیر پیدا کرنے والا ملک)۔ سونا اگلتی زمین (چار موسم، بہترین زرعی زمین)، بہترین سیاحتی مقامات (سوات، نتھیا گلی، کاغان، ناران، زیارت)، ۔۔۔ کیا کچھ نہیں ہمارے پاس ۔۔۔۔۔۔ بس صرف اپنے آپکو پہچاننے

کی ضرورت ہے، اپنے ملک کو سہارا دینے کی ضرورت ہے۔ اپنے وسائل سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔

پھر شاعر بھی اپنی زبان تبدیل کرنے پر مجبور ہو جائیں گے اور کہیں گے

اے چاند تو یہاں پہ نکلا کر
یہ دیس ہے خود شناس لوگوں کا

شاعر نے جو داغ داغ اجالے دیکھے تھے وہ بھی ختم ہو جائیں گے، شاعر نے جسے شب گزیدہ سحر کہا تھا اس پر ترقی، خوشیوں کا سورج طلوع ہو گا۔

میں اپنے پاکستان کو دنیا کے صف اول کے ممالک میں دیکھ رہا ہو، بشرطیکہ کہ ہم اپنا اپ پہچانے، اس کے لیئے دعا گو ہو کہ اللہ تعالی اسے زندہ و پاینده رکھے۔

ایک شاعر نے جو دعا مانگی تھی کہ

خدا کرے میرے ارض پاک پہ اترے
وہ فصل گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو

یہ اوپر بیان کی گئی کئی صورتوں میں پوری تو ہو چکی ہے، ہاں البتہ ایک اندیشہ زوال بہترین قیادت نہ ہونے کا ہے۔ افسوس ہم پر فصل گل اترتے ہوئے

بھی آج تک بہترین قیادت نہیں ملی۔ اور ان سب خوبیوں کے ہوتے ہوئے اندیشہ زوال موجود ہے، اور فصل گل سے فائدے اٹھانا عبث ہے۔ ہمیں پر اعتماد، مخلص قیادت کی اشد ضرورت ہے۔

پاکستان زندہ باد

جشن آزادی کی ڈھیر ساری خوشیاں مبارک

کاشف خٹک، پشاور

بے مقصد جشن آزادی۔۔۔۔

منچلہ نوجوان چودہ اگست منانے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔چودہ اگست کے دن ہری جھنڈیوں سے سجی موٹر سائیکل سے سائیلینسر ہٹا کے اپنے دوسرے دوستوں کے ساتھ ٹولیوں کی شکل میں رستوں، بازاروں اور ہسپتالوں کے سامنے شور شرابہ کر رہے تھے۔ کسی معقول کے سمجھانے پر اس سے الجھ پڑے۔دست و گریبان ہو گئے۔ جشن آزادی کے نام پر شور شرابہ کر کے، تکلیف پہنچا کر یہ منچلے اسی ہی دیس کے باسی سے دست و گریبان تھے جس دیس کی آزادی کی خوشی میں وہ یہ سب کر رہے تھے۔